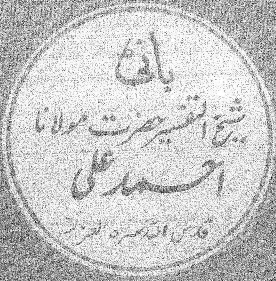



۱۱۱۵

# حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

بادشاہ مومن نہیں تو اس کے تاج پر خدا کی لعنت ہے۔ ایک غریب مومن کی گودڑی پر خدا کی رحمت ہے۔ اُس کے محل پر خدا کی لعنت۔ اِس کے چھپر پر رحمت۔ اُس کے سونے کے پلنگ پر لعنت۔ اِس کی چٹائی پر رحمت!

جس سے خدا راضی ہوتا ہے اُس پر اُس کی رحمت ہوتی ہے۔ جس سے وہ ناراض ہو اس پر لعنت ہوتی ہے۔ (ملفوظات صـ ۱۰۲)

24.11.78

# احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالے کا ذکر کیا کرتے تھے (اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے)

عن حذیفۃ و ابی ذر رضی اللہ عنہما قالا: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اوی الی فراشہ قال: "باسمک اللھم احیا و اموت" فاذا استیقظ قال: "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" (رواہ البخاری)

حضرت حذیفہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ پڑھتے ــ کہ باسمک اللھم واموت اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔ اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے۔ الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔ تمام تعریفیں ثابت ہیں اس اللہ کے لیے جس نے ہم کو مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (بخاری)

عن ابی ھریرۃ و عن ابی سعید رضی اللہ عنہما قالا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ دونوں بیان کرتے ہیں ــ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ کوئی جماعت نہیں بیٹھتی کہ وہ اللہ تعالے کا ذکر کرتے ہوں مگر فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت خداوندی اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالے ان شخصوں کا ان سے ذکر کرتے ہیں جو اس کے پاس ہیں۔ (مسلم)

عن ابی واقد الحرث بن عوف رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما ھو جالس فی المسجد والناس معہ اذ اقبل ثلاثۃ نفر فاقبل اثنان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذھب واحد فوقفا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما احدھما فرای فرجۃ فی الحلقۃ فجلس فیھا واما الآخر فجلس خلفھم واما الثالث فادبر ذاھبا فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الا اخبرکم عن النفر الثلاثۃ، اما احدھم فاوی الی اللہ فاواہ اللہ واما الآخر فاستحیی فاستحیی اللہ منہ واما الآخر فاعرض فاعرض اللہ عنہ (متفق علیہ)

حضرت ابوواقد الحارث بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام بھی آپ کے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک تین حضرات آئے ان میں سے دو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو گئے اور ایک چلا گیا۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے رہے۔ ان دونوں میں سے

# نوائے وقت سے

چند روز قبل ضلع میانوالی کا ایک وفد مولانا مفتی محمود سے ان کے آبائی گاؤں عبدالخیل میں اُن سے ملا تو اس موقعہ پر جو گفتگو ہوئی وہ تقریباً ملک بھر کے قومی اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس گفتگو میں مفتی صاحب نے پنجاب کے لیے "بڑے بھائی" کی اصطلاح استعمال کی اور اس جائز خواہش کا اظہار کیا کہ پنجاب کو بڑے بھائی کی طرح چھوٹے صوبوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ نوائے وقت کے لاہور ایڈیشن میں ۱۶ر نومبر کی اشاعت میں صفحۂ اوّل پر یہ خبر شائع ہوئی اور ۱۷ر نومبر کی اشاعت میں نوائے وقت کا ایک طویل اداریہ سامنے آیا جس کا عنوان ہے :۔ قبلہ ! اب "بڑے بھائی" آپ ہیں"۔

اس طویل اداریہ میں نوائے وقت نے پہلی مرتبہ جمعیۃ علماء اسلام جس کے ناظم اعلیٰ مفتی صاحب ہیں کو قومی جماعت کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ اور بعض مجبوریوں کے پیشِ نظر خود مفتی صاحب کی شخصیت اور ان کی عظمت کا اعتراف کیا ورنہ مدیر نوائے وقت جیسے حضرات مفتی صاحب اور ان کے رفقاء حتیٰ کہ ان کے مرحوم اکابر کو مختلف مواقع پر کٹی جلی سنانے میں راحت محسوس کرتے ہیں اور ان کے نزدیک تقسیم ملک کی بھیوری سے اختلاف ناقابلِ معافی جرم ہے جبکہ وہ نہیں جانتے کہ مفتی صاحب کے اکابر نے اگر جد و جہد آزادی کا خونی باب رقم نہ کیا ہوتا تو ڈرائنگ روم کی سیاست کے رسیا لوگ اپنی منزل پر کبھی نہ پہنچ سکتے۔

اور پھر اس حقیقت کے باوجود کہ پاکستان کو صحیح اسلامی مملکت بنانے کے لیے مفتی صاحب او

## اس شمارے میں


جلد : ۲۴ • شمارہ : ۱۰ ، ۱۱

۲۲ ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ • ۲۴ نومبر ۱۹۷۸ء







| بدلِ اشتراک | سالانہ ۶۰/- روپے ، ششماہی ۳۰/- روپے |
| --- | --- |
| | سہ ماہی ۱۵/- روپے ، فی پرچہ ۵۰/۱ روپیہ |

پبلشرز مولانا عبیداللہ انور ، پرنٹر الٰہی بخش ، مطبع کاسمو پرنٹرز ، ۴۸۰ موری گیٹ لاہور

ان کے رفقاء کا مثالی کردار ہے اور نوائے وقت کے اصل ممدوحین اس معاملہ میں بہرحال مجرم ہیں الزام تراشی سے باز نہ آنا پرلے درجے کی ڈھٹائی ہے۔

نوائے وقت نے اپنے ادارتی حصہ کے چار کالم اس سلسلہ میں جو سیاہ کر دئے ہیں ہمارے نزدیک ان کا کوئی جواز نہیں۔ مفتی صاحب نے ایک اصولی بات کہی خدا نخواستہ کوئی گالی نہیں دی۔ آبادی کے لحاظ سے پنجاب کا بڑا پن بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام کی حد تک جس طرح باقی صوبوں کے لوگ دکھی ہیں لیکن مختلف شعبہ ہائے حیات میں آبادی کے تناسب کے پیش نظر پنجاب کے حضرات کو جو بالادستی حاصل ہے اس کی روشنی میں اگر صحیح طرزِ فکر اختیار کیا جائے تو ملک شاندار مستقبل سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

محبت و پیار اور اسلامی بھائی چارہ کی فضا پیدا کرنا از بس ضروری ہے اور اس معاملہ میں قومی صحافت بڑا مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس لیے ہماری نوائے وقت سے بطور خاص گذارش ہے کہ وہ محض زیبِ داستان کے لیے بات کا بتنگڑ بنانے سے گریز کیا کرے کہ اسی میں ہم سب کا بھلا ہے۔

## حادثات و صدمات

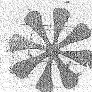
انڈونیشیا کے سینکڑوں حاجی شہید ہو گئے۔ سوات میں تیرہ افراد کو زندہ جلا دیا گیا۔ چترال میں جیپ کے حادثات میں متعدد افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ گوجرانوالہ کے نواح میں حادثے پیش آئے اور انسانی جانیں ضائع ہو گئیں۔

حضرت استاذالقراء مولانا قاری محمد شریف صاحب جیسے قیمتی انسان اپنے ہزاروں عقیدتمندوں اور شاگردوں کو داغِ مفارقت دے کر اپنے پیدا کرنے والے کے حضور پہنچ گئے۔

گکھڑ جمعیۃ کے رہنما اور مخیّر انسان حاجی اللہ دتہ بٹ نیز حضرت الامام سندھی اور حضرت الامام لاہوری قدس سرہما کے فدائی و جانثار اور جمعیۃ علماء اسلام لاہور کے بوڑھے جرنیل میاں عبدالرحمان صاحب عید کے دن اپنے اللہ کے حضور پہنچ گئے۔

جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے امیر اور ادارہ کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت مولانا عبیداللہ انور نے برادر ملک انڈونیشیا کے سربراہ صدر سوہارتو کے نام ایک تار میں حجاج کرام کے جہاز کو حادثہ پیش آنے پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کیا اور اپنی اور پوری جماعت کی طرف سے غمزدہ خاندانوں تک ہمدردی کے جذبات پہنچانے کی استدعا کی۔ صدر سوہارتو نے تار کے جواب میں حضرت مولانا کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے غم کی گھڑیوں میں اعلیٰ ترین اسلامی روایات کا مظاہرہ فرمایا۔

یہ تمام صدمات ایسے ہیں جن کی کسک مدتوں محسوس کی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ دنیا سے جانے والوں کو اپنی مغفرت سے نوازے اور ان کے ساتھ اپنی خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائے۔ ادارہ سب کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔



گاہے گاہے باز خواں.... ارشادات حضرت شیخ التفسیرؒ

# روحانی امراض سے شفایابی کا اندازہ آپ کے متعلق ہر شخص خود کر سکتا ہے

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد :۔ عرض یہ ہے کہ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں، یہ اجتماع دراصل ان احباب کا ہے جن کو یہ شوق ہے کہ وہ امراض روحانی سے شفایاب ہو کر اس دنیا سے جائیں۔ جسمانی بیماریوں کا علاج کا فرومشرک سبھی کرتے ہیں لیکن روحانی بیماریوں کا علاج وہی لوگ کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سمجھ دی اور جن کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نور ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا متبع بنائے۔ سب سے پہلے روحانی امراض کا احساس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہوا اور سب سے پہلے ان امراض سے شفایابی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا نتیجہ تھی۔ خوش نصیب ہیں وہ انسان جن کو یہ نعمت نصیب ہوئی اور حضورؐ سے تعلق خاطر کی بنا پر روحانی بیماریوں کا احساس اور ان سے شفایاب ہو کر اس دنیا سے جانے کا شوق پیدا ہوا۔ ورنہ یہ روحانی امراض جن کو قرآن وحدیث میں بار بار بیان کیا گیا ہے شرک، کفر، حسد، کبر، نفاق، غیبت، عجب، بغض، حب جاہ ومال وغیرہ۔ اگر ان روحانی واخلاقی بیماریوں سے شفایاب ہو کر اس دنیا سے نہ گئے تو یاد رکھئے پھر یہ بیماریاں قبر میں بھی ساتھ جائیں گی۔ اور قیامت تک تڑپائیں گی۔ اور حشر میں بھی جس کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے وہاں بھی ساتھ جائیں گی۔ پھر جہنم کی بھٹی میں پڑ کر جب ان امراض روحانی سے شفا ہو گی تب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں لائے جائیں گے لیکن میرے بھائیو، یاد رکھو ان بیماریوں کے مریض کو ایک دفعہ جہنم میں جانا ضرور پڑے گا۔ اس کے برعکس جسمانی امراض مہلکہ جیسے سل، دق وغیرہ کی میعاد زیادہ سے زیادہ اس زندگی تک ہے۔ ادھر موت آگئی ادھر مرض سے ساتھ ہی نجات مل گئی۔ مگر کسے خبر ہے کہ قبر میں دو ہزار برس سوتا ہے یا دس ہزار برس سونا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان روحانی امراض سے شفایاب ہو کر ہی اس دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے خدا گواہ ہے کہ میں اپنے آپ کو آپ سے زیادہ نیک وپارسا نہیں سمجھتا۔ میں آپ سب سے زیادہ سیاہ کار ہوں۔ یہ میرا فرض منصبی ہے کہ ان روحانی امراض کی ہلاکت خیزی سے میں آپ کو مطلع کر دوں تاکہ ہم غافلوں کی طرح نہ بیٹھیں بلکہ مقصدِ زندگی کو پہچان کر زندگی بسر کریں اور یہ جاننے کی سعی کریں کہ ابھی امراضِ روحانی سے شفا حاصل ہوئی ہے یا نہیں چنانچہ اس کا اندازہ ہر شخص خود کر سکتا ہے۔ بے شک اصل کیفیت ماہر طبیب یا روحانی ڈاکٹر ہی بتا سکتا ہے لیکن جیسے بدنی امراض کو انسان خود بھی محسوس کرتا ہے کہ پہلے نیند آتی تھی بھوک نہیں لگتی تھی۔ اب نیند خوب آتی ہے پہلے طبیعت گری گری رہتی تھی اب ہشاش بشاش ہے اور پہلے بخار کتنا تھا اب کتنا ہے جس طرح ظاہری امراض ہیں۔ انسان خود اندازہ لگا لیتا ہے بالکل ایسے ہی باطنی امراض کا حال سمجھئے۔ اصل تشخیص تو کامل کرتا ہے جیسے ڈاکٹر آلہ لگا کر اور طبیب نبض دیکھ کر حال معلوم کرتا ہے اسی طرح کامل توجہ سے حقیقت حال معلوم کر لیتا ہے اور مریض خود بھی محسوس کرتا ہے کہ امراض روحانی سے شفا حاصل ہوئی ہے یا نہیں۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن کے سینہ میں نور پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی اس کی پہچان کیا ہے۔ آپ نے اس نور کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی علامت — اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ۔ یعنی دھوکے کے گھر دنیا سے طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔ اس نور کی برکت سے انسان کی طبیعت دنیا سے بالکل اچاٹ ہو جاتی ہے پہلے دوستوں اور یاروں کی مجلس میں خوب لطف آتا تھا۔ ہر وقت ان کے ہاں آنا جانا اور چلنا پھرنا رہتا تھا مگر اب اس کی جگہ یاد الٰہی میں زیادہ مزہ آتا ہے بلکہ انسانوں سے قطع تعلق کرنے کو جی چاہتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نجات کا نسخہ پوچھا گیا آپ نے ارشاد فرمایا:- اَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ۔ زبان کو قابو میں رکھ۔ انسان کو کھیلوں اور تماشوں میں مزا آتا ہے میں اکثر لاہور میں دیکھتا ہوں۔ لوگ صبح نہا دھو کر بن سنور کر تو بٹن بن لگا کر وقت چلے گئے واپس آئے تو کھیل تماشوں میں لگ گئے نہ نماز کی فکر نہ آخرت کا ڈر۔ رات کو کھانا کھا کر بازاروں اور محلوں میں بیٹھ کر ڈسکس شروع کر دی کہ آج فلاں اخبار نے یہ لکھا ہے اور فلاں لیڈر نے یہ کہا ہے۔ یہ شیطان نے انسان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ اللہ کے بندو! تمہیں اس بک بک سے کیا فائدہ۔ شیطان الیاس لعین ہے کہ کسی کو سینما بینی کا شوق لگا دیا تو کسی کو مجلس آرائی اور بک بک کرنے کا۔ اللہ کے بندو یاد رکھو جب قبر میں جاؤ گے تب پتہ چلے گا۔ یہ دوست ، یار ، کھیل ، تماشے اور لغو مجلسیں سب یہیں رہ جائیں گی، وہاں ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسی واسطے اللہ والے فرماتے ہیں کہ غافلوں کی مجلس میں بیٹھنے کی بجائے تنہا بیٹھنا بہتر اور تنہا بیٹھنے کی بجائے اللہ والوں کے ساتھ بیٹھنا بہتر۔ آپ میں کئی لوگ ایسے ہوں گے کہ جب تک خدا کے دروازہ پر نہیں آئے تھے ایک رات کا سینما بھی قضا نہیں ہونے پایا تھا مگر اب اس کا کبھی خیال تک نہیں آتا۔ بلکہ نماز، روزہ، ذکر، اشغال و اوراد اور تلاوت قرآن میں وہ مزہ آتا ہے کہ کبھی قضا ہونے نہیں پاتا اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت اور اپنے دروازے پہ آنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

اسی نور کی دوسری علامت ہے۔ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ۔ اور ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا یعنی اس دنیا سے طبیعت ہٹ کر آخرت کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ جانور کسی دوسری طرف جانا چاہتا ہے۔ مگر مالک اس کو کسی دوسری طرف کھینچتا ہے۔ اس طرح نفس انسان کو دنیا دنی کی طرف کھینچتا ہے مگر اس نور کی برکت سے اس کا دل دنیا سے بچتا ہٹتا جاتا ہے۔ اور اس نور کی تیسری علامت یہ ہے:- وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے تیاری یعنی سفر آخرت کے لیے انسان ہر وقت پابرکاب رہے۔ اس جہان کے لیے جہاں سدا رہنا ہے۔ جیسے حاجی سفر حج پر جانے سے پہلے مکمل تیاری کرتا ہے۔ روپیہ جمع کرتا ہے۔ کپڑے بنواتا ہے زاد راہ مہیا ہو جانے کے بعد حج بنک آفس میں درخواست دیتا ہے پھر ہر صبح و شام حج پر جانے کے لیے اجازت سفر کا منتظر رہتا ہے ایسے ہی موت سے پہلے موت کے لیے مکمل تیاری رکھنا اس نور کے دل میں پیدا ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ موت کے وقت کا کسی کو پتہ نہیں۔

●●

---

## بقیہ : سچی کہانیاں

اور تم مقرب خاص ہو گئے۔ حضرت سید جلال الدینؒ نے کہا کہ بے ہودہ مت کہو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو نماز معاف ہی نہیں ہوئی۔ تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے؟ وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آکر کہتا ہے کہ میں جبرئیلؑ ہوں۔ جبرئیلؑ وحی کے فرشتے ہیں۔ وہ پیغمبرؑ کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے اور وہ جو کھانا تیرے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے۔ درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے اس میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کہا اب جب وہ فرشتہ آئے تو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھنا میں دوسرے دن جب اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں نے تمہاری بات پر عمل کیا، اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا اور جو کھانا اس نے دیا تھا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر پڑا اور میرے سارے کپڑے نجس ہو گئے اس کے بعد میں نے بے نمازی درویش سے توبہ کرائی اور اس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں ان کی قضا پڑھوائی۔

## نامحرم عورت

احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کا حکمران احمد نظام شاہ بہت ہی پرہیزگار اور نیک خصلت فرمانروا گزرا ہے۔ وہ جب باہر نکلتا تو شہر کے راستے میں دائیں بائیں نہیں دیکھتا تھا بلکہ اپنی نظریں نیچے کیے رہتا۔ ایک گستاخ امیر نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ شہر سے گزرتے وقت میری سواری کا تماشا دیکھنے کے لیے ہر قسم کے عورت مرد آکر کھڑے ہو جاتے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ میری آنکھ کسی نامحرم عورت پر نہ پڑ جائے اور اس کا وبال میرے اوپر نازل ہو۔

خطبہ جمعہ

# اسلام تمام ادیان و مذاہب پر ہمیشہ غالب رہے گا

## ہماری مشکلات اور مصائب کا سبب یہ ہے کہ صرف زبانی دعووں پر اکتفا کر لیا گیا ہے

شیخ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدھم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ : امّا بعد :

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللہِ شَھِیْدًا ○

وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے ہر ایک دین پر غالب کرے اور اللہ تعالےٰ کی شہادت کافی ہے۔

اسلام اس خدائے وحدہٗ لاشریک کا دین برحق ہے جو ساری مخلوق کا خالق اور پوری کائنات کا مالک ہے۔ اللہ تعالےٰ سب پر غالب اور حاکم ہے۔ اسی طرح اس کا دین بھی تمام ادیان و مذاہب پر غالب ہے۔

یہ آیت کریمہ جو تلاوت کی گئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے دائمی غلبہ کا اعلان فرمایا ہے۔ چودہ سو برس سے اس کی مخالفت میں ہزاروں تحریکیں پیدا ہوئیں۔ دشمنانِ اسلام نے روز اوّل ہی سے اپنے عزائم باطلہ کی کامیابی کے لیے سر توڑ کوششیں جاری کر رکھی ہیں۔ ہر طرح کے وسائل اور ہتھیاروں سے لیس ہونے کے باوجود آج تک کوئی بھی اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ جب بھی کبھی معرکہ آرائی ہوئی ہمیشہ اسلام کا پلڑا بھاری رہا۔ اس کا نام مزید روشن ہوا اور اس کی صداقت و حقانیت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ برصغیر میں جب برطانیہ کے عیسائی حکمرانوں نے اپنا تسلط جما لیا۔ اور یہاں کی ساری رعایا برطانوی بادشاہت کی غلام بن گئی تو اسلام کے نام لیواؤں پر خاص طور پر مظالم توڑے گئے۔ اس دوران برصغیر میں علماء حق کو دو محاذوں پر بھرپور جنگ لڑنا پڑی۔ ان دونوں محاذ پر کامیابی اسلام اور اسلام کے خدمت گاروں کو ہی نصیب ہوئی۔ یہ ایک محاذ غلامی کی زنجیریں توڑنے اور آزادی حاصل کرنے کا تھا اور دوسرا محاذ اسلام کے خلاف عیسائیت کی یلغار روکنے کا تھا۔ عیسائی پادری دولت اور اقتدار کے زور پر پورے ڈیڑھ سو برس تک اپنا زہر پھیلانے میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ علماء دیوبند پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے جنہوں نے ناموس اسلام کے تحفظ اور دین کی صداقت و حقانیت ثابت کرنے کے لیے وہ کارنامے انجام دیے ہیں۔ جن کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر مولانا سندھیؒ اور حضرت لاہوریؒ تک اور حضرت نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے لے کر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت رائے پوریؒ، مولانا ابو الکلام آزادؒ، حضرت مدنیؒ اور حضرت امیر شریعتؒ تک جتنے اکابر گزرے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے انگریز کے سازشی ذہن کو جس طرح سمجھا اور پھر اس کا جس انداز سے مقابلہ کیا یہ انہی کا حصہ تھا۔

## انگریز نے حضرت شیخ التفسیرؒ کو دہلی بدر کر کے لاہور میں اس لئے پابند کیا تھا کہ ان کا یہاں کوئی نہیں ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "اسے کیا معلوم تھا کہ میرے سینے میں قرآن ہے اور قرآن اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے"

اللہ تعالےٰ نے ان برگزیدہ ہستیوں کو اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا کہ وہ اس دور میں اور ایسے ماحول میں اسلام کی حقانیت کا پرچم بلند کریں۔ مسلمانوں کی اقتصادی معاشی پسماندگی یا افرادی قلت کی وجہ سے اسلام کبھی مغلوب نہیں ہوا۔ جب ساری دنیا اس کی دشمن تھی اور صرف مکہ کے چند غریب لوگ ایمان لائے تھے۔ اسلام کو اس وقت بھی مغلوب نہ کیا جا سکا۔ آج تو اسی کروڑ مسلمانوں کی آبادی دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور دنیا کی زیادہ دولت کے مالک مسلمان ہیں۔ اسلامی سلطنتوں کا حلقہ اقصائے افریقہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک وسیع ہو چکا ہے۔ ان حالات میں بھی طاغوتی قوتیں جو اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہیں انہیں کم از کم تاریخ سے ہی سبق حاصل کر لینا چاہیے۔ اعدائے اسلام یہ سمجھتے ہیں کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی حالت انتہائی پسماندہ ہے اور وہ ترقی یافتہ دنیا سے بہت پیچھے ہیں انہیں معاش کا لالچ دے کر مرتد بنا لیا جائے اور اسلام پر اپنے مذاہب کی برتری ثابت کی جائے۔ یہ جنت الحمقاء میں بسنے والی بات ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ مسلمانوں کی اقتصادی پسماندگی اور افرادی قوت کی کمی کے باعث اسلام کبھی مغلوب نہیں ہوا۔ اسلام کوئی لاوارث مذہب نہیں ہے ذات باری تعالےٰ نے اسلام کو اپنا مقبول اور پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ اسی نے اس دین کو نازل کیا اور اسی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آیت لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"اصول و فروع اور عقائد و احکام کے اعتبار سے یہی دین سچا اور یہی راہ سیدھی ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا۔ اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان و شکوہ سے حکومت کی اور اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمے کے قریب ایک وقت آنے والا ہے۔ جب ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہو گی۔ حجت و دلیل کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ ہی غالب رہا کیا اور رہے گا۔"

وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَهِیْدًا پر مزید فرماتے ہیں:۔

"یعنی اللہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہی اپنے فعل سے اس دین کو حق ثابت کرنے والا ہے۔"

اس لیے ہمارا ایمان ہے کہ دین اسلام دین برحق ہے۔ اس کے ماننے والے اگر آج ذلت و مصائب کے ورطۂ حیرت میں ہیں تو یہ ان کی اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ سب سے بڑی کوتاہی اور کمزوری یہ ہے کہ اسلام کو خدا تعالی کا سچا اور برحق دین سمجھنے اور ماننے کے باوجود اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ہے۔ بلاشبہ اسلام تمام دکھوں اور مصیبتوں کا مداوا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو صرف زبانی طور پر مان لینے یا اس کا محض اقرار کر لینے سے

اس کے وہ ثمرات تو حاصل نہیں ہوں گے جو عمل سے حاصل ہوتے ہیں۔ نجات کے لیے ایمان کے ساتھ عمل بھی شرط ہے۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ ایک مریض کسی طبیب یا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ اس کا مرض تشخیص کر کے بالکل صحیح نسخہ تجویز کیا جاتا ہے اب مریض کا فرض ہے کہ جو نسخہ طبیب نے اسے لکھ کر دیا ہے اور ڈاکٹر نے جو ادویات استعمال کرنے کی اسے ہدایت کی ہے انہیں وہ استعمال کرے۔ یہ نہیں کہ کاغذ پر لکھی ہوئی ادویات کو سینے سے لگائے رکھے یا اس کاغذ کی حفاظت کرتا رہے۔ پھر آرام نہ آنے کی صورت میں معالج سے شکوہ کرے۔ قرآن حکیم اور اسوۂ محمدیؐ عمل کی راہوں میں ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ عمل کے لیے ہمیں جس راستہ کی جانب راہنمائی کی گئی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس راستہ پر چلیں۔ جب تک ہم قدم نہیں اٹھائیں گے اور سفر طے نہیں کریں گے۔ اس وقت تک منزل سے ہمکنار کیونکر ہو سکیں گے؟ ایمان کے ساتھ عمل شرط ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

(گردشِ زمانہ گواہ ہے) کہ بے شک تمام انسان گھاٹے اور خسارے میں رہتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی وصیت آپس میں کرتے رہے۔

قرآن مجید کے آخری پارے کی اس سورت کے بارے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے علاوہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے رشد و ہدایت کا اور بیان نہ ہوتا تو دنیا و آخرت میں کامیابی اور سرخروئی حاصل کرنے کے لیے یہی سورت کافی تھی۔ اندازہ فرمائیں کہ اس سورت میں کتنے صاف اور واضح پیرایہ میں کامیابی کے اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کامیابی کے اصول چار ہیں (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) وصیت حق (۴) وصیت صبر۔ حقیقت یہ ہے کہ ان چاروں اصولوں کو اگر عملی زندگی میں اپنا لیا جائے تو ملتِ اسلامیہ کی عظمت رفتہ آج بھی لوٹ سکتی ہے۔ ہمارا کھویا ہوا وقار اور چین ہمیں دوبارہ واپس مل سکتا ہے۔ عمل اور ایثار و قربانی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اکابر کی تمام تر کامیابیاں خدائے وحدہ لاشریک نے "صلہ عمل" میں عطا فرمائی تھیں۔ ورنہ ان کے پاس ظاہری طور پر کیا تھا؟ نہ دولت نہ سلطنت اور نہ قوتِ حاکمہ۔ لیکن واقعات آپ کے سامنے ہیں کہ جن کے پاس یہ سب کچھ تھا ان کا آج نام و نشان باقی نہیں۔ اگر کہیں ان کا تذکرہ ہوتا بھی ہے تو نفرت و حقارت کے الفاظ ہیں۔ مگر ہمارے وہ بزرگ جنہوں نے فقر و درویشی میں وقت کے فرعونوں سے ٹکر لی اور اسلامی اصولوں پہ کاربند رہے سینکڑوں برس گزرنے کے بعد آج بھی ان کے فیض یافتہ اور عقیدت مند لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو انگریز نے دہلی سے نکالا تھا۔ حضرت لاہور تشریف لائے آپ فرمایا کرتے تھے:۔

اب آپ خود دیکھ لیں کہ وہ لاہور جو ان کا دشمن تھا جہاں ان کا کوئی نہیں تھا۔ اور انگریز نے اسی لیے انہیں یہاں پابند کیا تھا۔ لیکن اسی لاہور میں اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ عزت و شوکت عطا فرمائی جو کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ یہ سب اسلام کی برکت تھی۔

"انگریز مجھے ہتھکڑیاں لگا کر دہلی سے لایا تھا اس نے مجھے مجبور کر کے لاہور رکھا۔ اگر میرا اپنا اختیار ہوتا تو میں دہلی یا سندھ چلا جاتا لاہور کبھی نہ رہتا۔ انگریز شاید یہ سمجھتا تھا کہ اس کا لاہور میں کوئی حامی و مددگار نہیں اور یہ لاہور کی گلیوں میں پھر کر مر جائے گا۔ اس کو کیا معلوم تھا کہ میرے سینہ میں قرآن ہے قرآن اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے۔

# سچی کہانیاں

## جنہیں تاریخ کے صفحات نے اپنے دامن میں محفوظ رکھا

### احترام کلام پاک

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی روایت ہے کہ کسی بزرگ نے سلطان محمود غزنوی کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ سلطان نے جواب دیا کہ ایک رات میں کسی قصبے میں مہمان تھا جس مکان میں ٹھہرا تھا وہاں طاق پر قرآن مجید کا ایک ورق رکھا تھا میں نے خیال کیا یہاں ورق مصحف رکھا ہوا ہے سونا نہ چاہیے۔ پھر دل میں خیال آیا کہ ورق مصحف کو کہیں اور رکھوا دوں اور خود یہاں آرام کروں۔ پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں۔

اس ورق کو دوسری جگہ منتقل نہیں کیا اور تمام رات جاگتا رہا میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اسی کے بدلے حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔

### دل میں کھوٹ کا نتیجہ

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی زندگی میں راہ سلوک کو طے کرنے میں مختلف مقامات کی سیر کی۔ خود فرماتے ہیں کہ جب وہ بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی خدمت میں حاضر تھے تو ایک شخص ان کے پاس آیا اور عرض کیا یا حضرت میں تجارت کرتا ہوں لیکن کئی سال سے اس میں نقصان ہوتا ہے اور میں خود بھی بیمار ہو جاتا ہوں اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے۔ یہ سن کر شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے دل میں کھوٹ ہے۔ اس کو نقصان نہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس کا ایمان درست ہو جائے۔

### بددعا نہیں کی

ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ تغلق سے ملنے کے لیے حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت دہلی آئے تو ان کی قیام گاہ سے کسی نے چادر چرالی۔ ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لیے آپ بددعا کریں، بار بار چیز چرا لے جاتے ہیں فرمایا۔ کہ ہرگز بددعا نہ کروں گا۔ بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا۔ میں نے کبھی کسی کے لیے بددعا نہیں کی۔

### تارک صلوٰۃ درویش

حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت تارک صلوٰۃ کو کبھی ولی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے کہا کہ قصبہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعوے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نماز معاف کر دی ہے یہ سن کر میں اس کے پاس گیا وہاں امراء اور دوسرے لوگوں کا ہجوم تھا اس ہجوم سے گزر کر میں کسی طرح اس کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کو سلام نہیں کیا بلکہ جا کر بیٹھ گیا اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان نماز فرق کرتی ہے۔ درویش نے کہا، سید میرے پاس جبرئیلؑ آتے ہیں بہشت کا کھانا لاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے لیے نماز معاف کر دی گئی۔

باقی صفحہ ۶ پر

# ترقی کا صحیح راستہ

(ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم، اے، پی، ایچ، ڈی)

## ترقی کا مفہوم

اصل موضوع پر کلام کرنے سے پہلے یہ بہتر ہوگا کہ ہم ترقی کے مفہوم کی بابت اپنے ذہنوں کو صاف کرلیں کیونکہ ہمارے اس خوف اور لالچ کے برق رفتار عہد نے مختلف قدروں ہی میں اہم تبدیلیاں نہیں کردی ہیں بلکہ اکثر الفاظ کے قالبوں میں نئے نئے معانی ڈال کر بقول غالب خرد کا نام جنوں اور جنوں کا نام خرد رکھ دیا ہے۔ ہم کہتے کچھ ہیں اور ہمارا ذہن کسی اور طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں ہمارے خیالوں میں پراگندگی اور سوچنے اور سمجھنے کے طریقہ میں کجی پیدا ہوتی ہے۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ترقی کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کس طرف؟ ہم کس شخص یا کس قوم کو ترقی یافتہ کہہ سکتے ہیں؟ ہمارا زمانہ مغرب سے مرعوبیت کا زمانہ ہے اور اگرچہ اب مشرقی قومیں بھی اپنے صدیوں کے خواب سے چونک کر غلامی کی زنجیریں توڑ کر اپنے گردوپیش کو تھوڑی بہت تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگی ہیں، مگر عام حالت اب بھی یہی ہے کہ جو سکے مغربی تہذیب ڈھال کر بھیج دیتی ہے وہ بلا تکلف ہمارے یہاں رائج ہو جاتے ہیں اور ہم کھرے کھوٹے میں فرق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

## مادہ پرستی

مغرب کا ذہن تمام تر مادہ پرست ہے اور اسے ایسا ہونا بھی چاہیئے کیونکہ یہ ثمرہ ہے رومن تہذیب کا اور رومن تہذیب کی بنیاد قدیم یونانی تہذیب نے رکھی تھی جو مادی ترقی اور حظِ نفس کو مقصود بالذات سمجھتی تھی چنانچہ اس کی تعمیر ہی میں اس کی خرابی مضمر ہے۔

## مغربی تمدّن

مغربی تمدن میں اولاً تو دینی شعور ہے ہی نہیں اور اگر کچھ ہے بھی تو وہ زمانہ کے آگے چلنے کے بجائے اس کے پیچھے چلتا ہے۔ اس تمدن کی بنیاد ابتدا میں سائنس اور صنعت و حرفت اور سیاسی جمہوریت پر رکھی گئی تھی لیکن اس کی نشوونما تغلب، استعمار اور کمزور قوموں پر ظلم و استبداد کے ذریعے حاصل کی ہوئی دولت سے ہوئی اور ہو رہی ہے، اور پھر جوں جوں ترقی ہوتی گئی تن آسانی اور عیش پرستی کی تمام باتیں اس کا جز بنتی گئیں، نتیجہ یہ ہے کہ عیاشی اور لہو نے اتنا فروغ پایا ہے کہ اعلیٰ اخلاقی خصائل تباہ ہوتے جارہے ہیں لیکن اس کے شیدائی یہ نہیں دیکھتے کہ روحانی عنصر نہ ہونے کی وجہ سے مغربی تمدن کس تیزی سے ہلاکت کی طرف جارہا ہے۔

ایڈورڈ گبن نے تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تاریخ دراصل جرموں، غلطیوں اور نوعِ انسانی کی بدنصیبیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے"۔ ہم بغیر کسی تصرف یا غلط بیانی کے یہی تعریف مغربی تمدن کی تاریخ پر بھی چسپاں کرسکتے ہیں، دو عظیم جنگیں، فسطائیت، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور نہ جانے کتنے دوسرے فتنے اس کے بطن سے پیدا ہوچکے ہیں۔

## مادی اور روحانی، دونوں پہلوؤں کی ترقی،

ان سطور سے ہمارا مقصد مادی ترقی کی نفی کرنا نہیں ہے صرف یہ دکھانا ہے کہ اگر دنیاوی ترقی روحانی اور اخلاقی شعور کے ماتحت نہ ہو تو وہ کس درجہ خطرناک اور موجب خطرات بن جاتی ہے۔

جس طرح انسان میں جسم اور روح کا امتزاج ہے اسی طرح اس کی ترقی کے بھی مادی اور روحانی دو پہلو ہیں اور "دنیاوی ترقی" اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب اسے اطاعتِ الٰہی کے زیرِ سایہ حاصل کیا جائے۔

جو تمدن ان دونوں میں سے کسی ایک کا ساتھ چھوڑ دے وہ غیر معتدل اور ناقص ہے صحیح تمدن وہی ہے جو دونوں کے مطالبوں اور تقاضوں کو تسلیم کرے اور ان میں عدل کرے اور اپنے سامنے یہ نصب العین رکھے کہ:۔

انسان کے مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرنا ہی ترقی کا صحیح مفہوم ہے۔

## اسلام کا راستہ — متوازن ترقی

لیکن اس متوازن ترقی کا راستہ صرف اسلام دکھا سکتا ہے کیونکہ وہ ایک طرف مادیت کی نفی نہیں کرتا اور نہ اس کے امکانات اور تقاضوں سے صرفِ نظر کرتا ہے اور دوسری طرف وہ ان بنیادی روحانی اور اخلاقی قدروں کا بھی محافظ ہے جو مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرتی ہیں۔

## دینی اور دنیاوی علوم کا امتزاج

ہم نے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ دنیوی علم و عمل سے دین کا رابطہ توڑ دیا ہے کہیں صرف مادی اور دنیوی بہبودی پر زور دیا ہے اور قابلِ توجہ یہی چیزیں رہ گئی ہیں اور اگر دینی اصول ان کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے نظر آئیں تو انھیں بلاجھجک قلمزد کر دینا چاہیے اور کہیں مذہب بایں معنی ساری توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے کہ قدیم تعلیم و تہذیب کے دائرہ میں محدود رہو، ورنہ جدید تعلیم و تہذیب تم کو جہنم میں پہنچا دے گی نئے علوم و فنون جاننے والے طبقہ کی اکثریت اپنے قدیم تہذیبی سرمایہ سے ناواقف ہونے کے باعث دین سے عدم التفات کو ترقی کا وسیلہ سمجھتی ہے اور قدیم علوم و فنون کے وارث عصری رجحانات سے بےخبری کی وجہ سے پرانی بحثوں اور روایتی اندازِ فکر کے اسیر ہیں اور مذہب کے سانچے میں ڈھال کر ایک ترقی یافتہ اور متوازن تمدن کی تشکیل کی ضرورت یا تو محسوس نہیں کرتے یا خود کو اس کا اہل نہیں پاتے۔

## مسلمانوں کی موجودہ حالت:

عام مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی کی نوعیت شعوری نہیں بلکہ جذباتی ہو گئی ہے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جسموں میں جھرجھری اب بھی پیدا ہو جاتی ہے مسلمانوں کی زبوں حالی سے دل اب متاثر ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل سے تو ہم اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں مگر چلتے غیر اسلامی طریق پر ہیں اور زندگی غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتے ہیں بعض حضرات دین سے سیاست کا کام لینا چاہتے ہیں بعض تجارت کا اور زیادہ تر تو اس سے کوئی کام ہی نہیں لینا چاہتے۔ حال و قال کا یہ بُعد ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھایا ہوا ہے۔ خدا کو مالک اور آقا مان کر بھی غیر میں گداگری کرتے ہم کو شرم نہیں آتی۔ جھوٹ کو ام الخبائث تسلیم کر کے چند بیگھہ زمین کے لیے جھوٹا حلف اٹھا لینا ہمارے اندر الجھن پیدا نہیں کرتا بڑھتی خود غرضی اور باہمی عداوت سے رسمی طور پر عبرت اندوز ہونے کے لیے ہم ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن اپنی روزمرہ کی زندگی میں خلوص ایثار اور خدمات کے جذبات پیدا کرنا ہمارے لیے محال ہے مالی ابتری کے باوجود محنت اور کفایت شعاری پر ہماری طبیعتیں نہیں مائل ہوتیں غرض خدا اور آخرت پر ایمان اور ہماری نمازیں اور ہمارے روزے ہم کو خود غرضی، جھوٹ، قوت پرستی، دولت کی طمع اور اس طرح کے دوسرے روحانی و اخلاقی امراض سے نجات دلانے میں کارگر نہیں ہوتے حالانکہ انھیں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

سر چارلس لائل نے بڑے مزے کی بات کہی ہے کہ "ایشیا جیسا علمِ سیاست کا اسکول کہیں نہیں ہے جہاں نیکی اور انصاف کے نہایت پاکیزہ اور قابلِ تعریف اصولوں کے ساتھ چھین لو اور دبا بیٹھو کا پرانا طریقہ اب بھی رائج ہے اور جہاں افعال اور مسلمات کا تضاد کسی کو مطلق نہیں کھٹکتا۔"

یہاں اس سے بحث نہیں کہ آیا تنہا ایشیا ہی اس الزام کا مستحق ہے اور دنیا کے دوسرے براعظم اس سے بری ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ کل ایشیا پر یہ بات صادق آتی ہو یا نہ ہو مسلمانوں کی حالت ضرور ایسی ہی ہے ان کے یہاں عقاید اور اعمال میں مناسبت ہی معدوم نہیں بلکہ اس عدم مناسبت پر ان کا ضمیر ہلکی سی چٹکی بھی نہیں لیتا اور یہ اس لیے ہے کہ اسلام سے ان کے تعلق کی نوعیت محض طبعی، رسمی اور نسلی ہو گئی ہے دینداری کے معنی چند عقائد کا اقرار اور چند رسوم کی ادائیگی سمجھ لیے گئے ہیں اور زبان سے اسلام کے دینِ عمل اور ضابطۂ حیات ہونے کا لاکھ دعویٰ کیا جاتا ہے، معاشرت میں خوفِ خدا کو راہ نما بنانے پر کوئی راضی نہیں ہے

*

## اسلامی ضابطۂ حیات

اسلام کی عظیم الشان عمارت کے چار ستون ہیں (۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) اخلاقیات اور (۴) معاملات۔ حضور سرورِ کائنات کی رسالت کا یہی طرۂ امتیاز ہے اور وہ ان چاروں عنوانوں کا مجموعہ تھی آپ نے یہ حقیقت بار بار دہرائی کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے خالق کی مخلوقات کے ساتھ یعنی اس کا ایک رخ عالم غیب کی طرف ہے اور دوسرا عالم شہود کی طرف خدا اور بندہ کے تعلق کے جن اجزا کا تعلق ہماری قلبی و ذہنی کیفیات سے ہے ان کو اعتقادات کہتے ہیں اور جن اجزاء کا تعلق ہمارے جسم و جان اور مال و دولت سے ہے وہ تین ابواب یعنی عبادت اخلاق اور معاملہ میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ اسلام کی تکمیل کے لیے ان چاروں کا استحکام ضروری ہے نجات کا مدار ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے اسی لیے قرآن پاک میں آمنوا کے ساتھ ساتھ وعملوا الصّٰلحٰت پر ہمیشہ زور دیا گیا ہے۔

### ایمان اور عمل صالح

دراصل اعمال حسنہ ہی ایمان کی پختگی کی پہچان ہیں۔ ویسے ہی جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص ایمان کا تو دعوے دار ہو مگر اس کے اعمال میں ایمان کے مطابق اچھائی نہ پائی جاتی ہو۔ تو یہ کھلی ہوئی علامت اس بات کی ہوگی کہ ایمان اس کی زبان سے اتر کر اس کے دل اور اس کی شخصیت کی گہرائیوں تک نہیں پہنچا ہے۔ احادیث میں اس مضمون کی کمی نہیں، مثلاً۔

"مومنوں میں اسی کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔" (سنن ابی داؤد)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی زادی کو شک ہے اس کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔" (بخاری)

"جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔" (بخاری)

"اچھے خلق کو ہی اسلام کہتے ہیں۔"

"قیامت کے ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی اور چیز نہ ہوگی۔"

"خوش اخلاق دنیا اور آخرت کی نیکی لوٹ لے گیا۔"

"بخل اور بد اخلاقی وہ ایسی چیزیں ہیں جو مومن میں کبھی جمع نہیں ہوتیں۔"

"جو آدمیوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے وہی زیادہ اچھا آدمی ہے۔"

"جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں وہ مسلمان نہیں۔" (کنز الاعمال)

### انفرادی اور اجتماعی ترقی

مختصر یہ کہ اسلام اور زندگی میں ایک نہ ٹوٹنے والا رابطہ اور علاقہ ہے اور اس کی ہمہ گیر تعلیم کے ثمرات سے ہم تب ہی اپنی جھولیاں بھر سکتے ہیں جب ہم اس کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کر لیں، ہماری انفرادی اور اجتماعی ترقی کا مدار اپنے اندر یہ مذہبی جذبہ بیدار کرنے پر ہے تاکہ ہمارے تمدن کی بنیاد ابدی اخلاقی قدروں پر ہو وہ طرز زندگی اور وہ تمدن جو مادی اغراض سے مغلوب ہو کر منشائے حق کو پس پشت ڈال دیتا ہے خود بھی برباد ہو جاتا ہے اور انسانیت کو بھی کھوکھلا کر دیتا ہے اس کی تعمیر ریت کی دیواروں پر ہوتی ہے اور جب وہ اپنے ہی پیدا کئے ہوئے مصائب کے بوجھ سے بیٹھنے لگتا ہے۔ جیسا کہ ضروری ہے۔ تو ہمسایوں کو بھی تباہ کر ڈالتا ہے یہی تاریخ کا فیصلہ ہے لیکن جن کی آنکھیں مغرب کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہو گئی ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی عمر ابھی صرف ڈیڑھ سو سال ہی ہے اور اتنی ہی عمر میں جو تاریخی اعتبار سے کچھ بھی نہ ہوئی اس میں انحطاط کی علامتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اس کے مستقبل کی بابت سخت اندیشے ظاہر کئے جا رہے ہیں۔

### روحانی اور اخلاقی ترقی

تہذیب اپنے عروج کو نہیں پہنچ سکتی جب تک انسان اپنی زندگی کا رشتہ رضائے الٰہی سے نہ جوڑے اور مادی ترقی صرف اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب روحانی اور اخلاقی اقدار سے اس کا رشتہ قائم رہے۔ ایک متوازن اور عادلانہ نظام تمدن تشفی نفس نہیں بلکہ احتساب نفس ہی کے سہارے وجود میں آ سکتا ہے اور مسلمان کسی اور ذہنی فضا میں مسلمان کی حیثیت

سے ترقی نہیں کر سکتے۔

ہم کو چاہیے کہ اسلام کے آب حیات سے اپنے معاشرہ کو سیراب کریں ہم میں ایک ایسی جماعت ہو جو اسلام کے عقاید اور اصولوں کو لے کر علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے ۔ اور

**مادی ترقی صرف اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب روحانی اور اخلاقی اقدار سے اس کا رشتہ قائم رہے۔**

زندگی کے نشیب و فراز اور اس کے ہمیشہ بدلتے ہوئے حالات اور مسائل میں ان کو برت کر دکھائے تاکہ قوم کو صحیح عملی ہدایت ملے اور قومی مزاج میں پختہ دینی شعور اور خود اعتمادی پیدا ہو یہی چیز ہمیں ترقی کے راستے پر لگا سکتی ہے اور اسی کی اس وقت ضرورت ہے اور اگر منظر کو ذرا وسیع کر کے دیکھا جائے تو قرآن کی اس آیت میں بھی ہم کو یہی حکم ملے گا۔

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنكَرِ ط وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۳-۱۰۳)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور انھیں اچھے کام کرنے کی ترغیب دے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

فلاح دینی و اخروی،

یہ عمل جس طرح ہماری فلاح اخروی کا ضامن ہے دینی فلاح و

**ہماری بہبود اسی میں ہے کہ ہم روحانیت اور مادیت کے امتزاج کی اسلامی تشریح و توضیح کو اپنی اجتماعی زندگی میں جذب کر لیں جب تک یہ نہ ہو گا ہم ترقی سے یونہی محروم رہیں گے، جیسے کہ آج ہیں۔**

ترقی کے صحیح راستہ پر پڑنا بھی اسی پر موقوف ہے۔

ہم نے بدقسمتی سے اسلام کی سماجی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھا اور یہ نہیں دیکھا کہ یہی وہ صفت تھی جس نے اسلام کو روایتی مذاہب سے ممتاز کر کے اسے ایک تاریخی حقیقت بنا دیا تھا۔

ہماری تاریخ کے نازک دوروں میں ایسی عظیم المرتبت شخصیتیں ضرور ابھریں جنہوں نے معاشرہ کے بارے میں اپنے فرض کی ادائیگی میں اپنی جانوں تک کی بازی لگا دی اور یہی وجہ ہے کہ اسلام اندر و باہر کے بے شمار خطروں کا مقابلہ کر کے آج بھی ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے قائم ہے لیکن عام طور پر ہمارے دینی رہنماؤں کی اکثریت نے اس ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا نہ مذہبی اور علمی سطح پر اور نہ عمل کے میدان میں، مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں اور گھروں، کالجوں، کھیتوں اور کارخانوں کی درمیانی خلیج پر پل بنانے کی کوشش ادھوری ہی رہی اور زندگی کو دین سے اور دین کو زندگی سے قوت کی لہریں جیسی کہ پہنچنی چاہیئے تھیں نہیں پہنچ سکیں، انجام کار دین و دنیا کی تفریق اور اس بارے میں افراط و تفریط پوری قوم کا مزاج بنا ہوا ہے۔ جو ہزار خرابیوں کی جڑ ہے۔

اسلام کی وسعت کے اندر انسان کی پوری زندگی کے کام داخل ہیں جن کے بحسن وخوبی انجام دینے کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے دراصل اسلام آیا اسی لیے تھا کہ اپنے پیروؤں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہانوں کی پادشاہی رکھ دے۔

یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ ہم اس سے یہ کام نہیں لیتے جب تک ہم نے اسلام کی روح سے اپنی روحوں کو منسلک رکھا دنیا نے اس صداقت کا حیرت انگیز مظاہرہ دیکھا لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب یہ رشتہ کمزور پڑ گیا اور ملک گیری مسلمانوں کے فعال طبقہ کا نمایاں مقصد بن گئی تو اسلام ایک سیاسی قوت کی طرح دنیا کے بڑے حصہ پر تو چھایا رہا مگر اس کے جسم سے اس کی روح جدا ہو گئی۔ یہ کوئی اچھی شکل نہ تھی اور انجام اس کا وہی ہوا جو ہر ایسی سیاسی طاقت کا بالآخر ہوتا ہے جو اچھے اخلاقی اصولوں سے تربیت نہیں لیتی۔ روحانی امراض نے معاشرہ کو کھوکھلا کر دیا، زندگی کے عناصر کمزور ہو گئے اور رفتہ رفتہ دولت و حکومت بھی جاتی رہی۔

ہماری بہبود اسی میں ہے کہ ہم روحانیت اور مادیت کے امتزاج کی اسلامی تشریح و توضیح کو اپنی اجتماعی زندگی میں جذب کر لیں، جب تک یہ نہ ہو گا ہم ترقی سے یونہی محروم رہیں گے، جیسے کہ آج ہیں۔

* * *

# مسواک کے فائدے

از: ابوالریاض - لائلپور

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں دین اور دنیا کی سب بھلائیاں جمع ہیں۔ مثلاً اسلام صفائی پر بڑا زور دیتا ہے۔ جسم اور لباس پھر گھر اور ماحول کی صفائی تک سب کو ثواب میں داخل فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ صفائی پسند لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ طہارت ایمان کا ایک حصہ ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

صفائی کو رکھو ہمیشہ عزیز
صفائی سے بہتر نہیں کوئی چیز

پانی ایک بڑی نعمت ہے اور یہی ایک صفائی کا ذریعہ ہے اور اس کا استعمال ہر عبادت سے پہلے وضو کی صورت میں تجویز فرمایا ہے۔ معدے کی اکثر بیماریاں منہ کی کثافت اور دانتوں کی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں۔ قربان جایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے وضو میں مسواک کو مسنون قرار دیا ہے۔ اور ثواب کے ذریعہ حوصلہ افزائی فرما کر مسواک کی اہمیت اور معدہ کی بیماریوں کا علاج فرما دیا ہے۔ بھلا جو شخص پانچوں وقت وضو میں مسواک کرے گا۔ اس کے دانت کیسے میلے اور مسوڑھے کیسے خراب ہو سکتے ہیں۔ بلکہ مسواک کے استعمال سے دانت صاف اور مسوڑھے خشک رہتے ہیں۔ کثیف لعاب نکل جاتا ہے اور دانت مضبوط رہتے ہیں کھانا اچھی طرح سے چبایا جا سکتا ہے۔ ورنہ دانتوں کی خرابی سے معدے کی اکثر بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ کتنا سادہ اور مفید عمل ہے جس میں دنیا اور دین دونوں کی بھلائیاں موجود ہیں۔

مسواک کے ظاہری اور باطنی فائدے اس قدر ہیں کہ دورِ حاضر کے ڈاکٹر اور اطباء سب اس بات پر متفق ہیں کہ دانت اور منہ کی صفائی کے لیے مسواک سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ برش بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے بال تیز اور سخت ہوتے ہیں۔ مسوڑھے چھل جاتے ہیں۔ مسواک کے ریشے نرم اور ملائم ہوتے ہیں۔ مسوڑھوں کو ضرب نہیں آتی۔

مسواک جال (وَن) کی بہتر ہے۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسواک کے ساتھ ایک رکعت بغیر مسواک کے ستر رکعت سے بہتر ہے۔ (ترغیب صـ۴۴)

۲۔ مسواک منہ کو صاف کرتی ہے اور خدا کی خوشنودی بڑھاتی ہے۔ (بخاری شریف)

۳۔ جو مسواک کے وضو سے قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ فرشتے محبت سے اس قرآن کو سنتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت بھی مسواک استعمال کی تھی جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے اپنے منہ سے چبا کر پیش کیا تھا۔ سبحان اللہ! مسواک کی اہمیت اور حضرت صدیقہ رضؓ کا مقام کتنی بڑی شان ہے۔

حضرت علی رضؓ نے فرمایا۔ مسواک بلغم کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ صحابہ کبار رضؓ تیر اور تلوار کے ساتھ مسواک رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار فوائد ہیں؛

منہ کی بدبو دور کرتی ہے۔ دانت اور مسوڑھے مضبوط رکھتی ہے۔ منہ سے بدبو نہیں آتی ورنہ مجلس میں منہ کی بدبو سے شرمندگی ہوتی ہے۔ متعدی امراض کے جراثیم مسواک سے مرجاتے ہیں۔ آنکھ کی بینائی اچھی رہتی ہے۔ معدہ درست رہتا ہے۔ غذا ہضم

ہوتی ہے اور سنت کا ثواب علیحدہ ملتا ہے۔ خدا کی خوشنودی اور نیکیاں بڑھتی ہیں۔
لکھا ہے کہ ایک جنگ میں فتح حاصل نہ ہو سکی۔ صحابہ کبارؓ نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ مسواک کی سنّت چھوڑنے سے ناکامی ہوئی ہے۔ چنانچہ سنّت جاری کرنے کے بعد حملہ کیا تو فتح سے سرفراز ہوئے۔ غور کریں کہ اتنی مصیبت کے وقت بھی صحابہ کبارؓ سنّت کا خیال رکھتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ "علیکم بالسواک"۔ اسی ضمن میں ایک شاعر کے چند اشعار پڑھیے ؎

مسواک نبیؐ کی سنت ہے
محبوب یہ پیاری خصلت ہے
دانتوں کی صفائی ہوتی ہے
روشن بینائی ہوتی ہے
ہم دانت جو مل کر دھوتے ہیں
مضبوط مسوڑھے ہوتے ہیں
یہ فہم کو تیز بناتی ہے
نسیان کو دور ہٹاتی ہے
یہ سانس کو صاف چلاتی ہے
تکثیر لعاب گھٹاتی ہے
یہ بلغم صاف کراتی ہے
ٹی بی کا اثر دباتی ہے
فرمانِ نبیؐ پر کان دھرو
مسواک کرو، مسواک کرو

## امیر المومنین معاویہؓ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ ★

حافظ نور محمد انور

آسناؤں تجھ کو میں اک مردِ حق کا ذکرِ خیر
ملّتِ اسلام پر ہے جس کے احسانوں کا بار

جس کو عزت سے سبھی کہتے ہیں خال المومنین
مرتبہ میں جو ہے اصحابِ نبیؐ میں باوقار

پرچمِ اسلام دنیا میں کیا جس نے بلند
دین و ملّت کے لیے سب کچھ کیا جس نے نثار

کاتبِ وحی و رسالت کا لقب جس کو ملا
خدمتِ دیں عمر بھر بیشک رہا جس کا شعار

مرتضیٰؓ کے بعد آیا دورِ خال المومنین
بن کے فاتح وہ ہوا اسلام کا خدمت گزار

اس قدر تھی اُلفتِ حسنینؓ اس کے قلب میں
عمر بھر دیتا رہا ان کو وظائف بے شمار

روم و ایراں کے عَلم سب ہو گئے پھر سرنگوں
برسرِ میداں جو چمکی اس کی تیغِ آب دار

صد ہزاراں رحمتیں ہوں اس کے مرقد پر مدام
جس کی سب خدمات دینی ہیں قبولِ کردگار

انورِ مسکین اس کی منقبت کیا لکھ سکے
کی دعا جس کے لیے ختم الرسلؐ نے بار بار

# سرمایہ اور محنت میں ربط

عبدالرحمٰن لدھیانوی

یوں تو دولت ابتداء سے افلاس کو کچلتی چلی آئی ہے اور مالدار ہمیشہ ہی سے غربا کو تختہ مشق جفا بناتے رہے ہیں۔ مگر عہد حاضر میں سرمایہ اور محنت کے تصادم نے جو ہولناک صورت اختیار کرلی ہے اس کا وجود پہلے کم نظر آتا ہے۔ ایک طرف سرمایہ نے امپیریلزم، فاشزم اور نازکزم کی صورتیں اختیار کر رکھی ہیں اور دوسری طرف محنت نے اشتراکیت، کمیونزم اور سوشلزم کی صورت اختیار کرکے اپنا محاذ قائم کر رکھا ہے۔ اور دونوں کی جنگ نے انتہائی نازک صورت پالی ہے اور ایک دنیا ہے کہ اس مصیبت میں گرفتار ہے۔ آج بمشکل ہی کوئی ایسا ملک ہوگا جو اس شور اور لعنت سے پاک اور مبرا سمجھا اور خیال کیا جاسکے۔

اصلاً کوئی چیز اچھی ہے نہ بری یہ اس کا استعمال ہی ہے جو اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے سرمایہ کی صورت یہ ہے کہ سرمایہ دار اپنی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر محنت کو خریدتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس میں من مانی شرائط پر کام لے۔ کم سے کم مصارف پر زیادہ سے زیادہ محنت خرچ کرائے۔ ہر سرمایہ دار اپنے عیش و آرام کی خاطر دوسروں کا گلا گھونٹتا ہے۔ سرمایہ دار کے محل کی تعمیر کے لیے مزدوروں کے اگر سو گھر بھی اجڑ جائیں تو اسے ذرہ بھر بھی احساس نہیں ہوتا ایک طرف سرمایہ دار کہتا ہے کہ میں اجرت دیتا ہوں اس لیے میرا حق ہے کہ میں جتنا کام چاہوں اور جتنا نفع چاہوں اٹھاؤں۔ دوسری طرف مزدور کہتا ہے کہ سرمایہ دار کے پاس جتنا روپیہ ہے وہ سب اسی کی محنت اور جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ میں رات دن محنت کرتا ہوں اور مجھے شکم سیر ہوکر روٹی نہیں ملتی۔ لیکن سرمایہ دار دن بھر صوفوں اور گدوں پر پڑا اینڈتا رہتا ہے اور اس کے پاس لاکھوں روپیہ بے کار پڑا رہتا ہے جس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں واقعی دنیا کے سرمایہ داروں اور مہاجنوں کی دولت سے ان کی ذات کے سوا کسی اور کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔

لیکن اسلام کا سرمایہ دار اور قوموں کے سرمایہ داروں سے بالکل مختلف چیز ہے اس کی دولت صرف اس کے لیے نہیں ہے بلکہ اس میں یگانہ و بیگانہ سب شریک ہیں۔ ایک سرمایہ دار سال میں ایک کروڑ روپیہ پیدا کرتا ہے تو اس میں سے اسے اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ زکوٰۃ لازماً نکالنی پڑے گی اس کے علاوہ صدقات، فطرانہ اور قربانی کی صورت میں وہ برابر روپیہ خرچ کرنے پر مجبور ہے۔ ایک سرمایہ دار نہ سہی فرض کیجئے کہ ملک میں ایک ہزار یا دس ہزار سرمایہ دار ہیں اور ان کی مجموعی سالانہ بچت ایک ارب روپیہ ہے تو وہ قانون اسلام کی رو سے اڑھائی کروڑ روپیہ غربا اور مستحقین کے لیے خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ ایک کروڑ روپیہ صدقات وغیرہ کی صورت میں خرچ کرنا پڑتا ہے اور جب انسان خرچ کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اسے لطف بھی آنے لگتا ہے۔ خود غور کیجئے کہ اس ساڑھے تین کروڑ روپے کی رقم سے دنیا کو فائدہ پہنچ سکتا ہے بالخصوص اس صورت میں جبکہ یہ سالانہ نکلتی رہے اور ملتی رہے۔

یورپ و امریکہ ارب پتی ملک ہیں اگر وہاں یہ طریقہ رائج ہو جائے تو کروڑوں اور اربوں روپیہ سالانہ غربا کی ضروریات کے لیے مستقلاً ملتا رہے۔

شہرت کے لیے خرچ کرنے کی مخالفت ہے مگر صریح حکم ہے کہ زکوٰۃ غریب، اقربا، یتیموں، مسکینوں اور ضرورتمندوں محتاجوں، سائلوں، غریب ہمسایوں اور غریب دوستوں کو دی جائے یہ نہیں کہ شہرت کے لیے کسی یونیورسٹی یا کسی انجمن کو ایک لاکھ روپیہ دے دیا۔ مگر زکوٰۃ کا روپیہ صرف ناداروں اور غریبوں ہی کے لیے ہے صدقات بھی انہی کے لیے ہیں جن کو اخفا کے ساتھ دینے کا بہت ثواب ہے اسلام نے ان سرمایہ داروں کی شدید مذمت کی ہے۔ اور انہیں مستحقین عذاب الیم قرار دیا ہے جو آج کے سرمایہ داروں کی طرح سونا چاندی جمع کرتے چلے

جائیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں۔ اوران کے بڑے در جے ہیں جو اللہ کی راہ میں علانیہ اور خفیہ خرچ کرتے رہتے ہیں جب غریب دیکھتے ہیں کہ امراء اور سرمایہ داروں کی دولت سے ہمیں فائدہ پہنچ رہا ہے اور مستقلاً پہنچ رہا ہے تو ان کے لیے ان کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ شکایت کی صورت ہی باقی نہیں رہتی۔ گویا کہ اسلام کے سرمایہ دار کی ذات میں وہ شریک ہیں۔ سب کا حصہ ہے اس لیے اس کے خلاف کسی کو شکوہ ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن آج کل سرمایہ دار کی دولت سے اس کے سوا اور کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا وہ بے کار پڑی رہتی ہے اس لیے غربا کو غصہ اور اشتعال پیدا ہوتا ہے اور بجا طور پر ہو رہا ہے اس مصیبت کا علاج نہ سوشلزم کے پاس ہے اور نہ کمیونزم کے پاس ہے وہ صرف اسلام کے پاس ہے جبتک دنیا حضور نبی کریمؐ کے بتائے ہوئے اصول اختیار نہ کرے گی۔ اسکے مصائب میں برابر اضافہ ہوتا چلا جائیگا اس سلسلہ میں اسلام نے کتنا معقول بندوبست کیا ہے کہ سرمایہ داری پر زد نہ پڑے وہ اپنی حوصلہ مندی اور دماغی محنت سے بھی برابر مستفید ہوتا رہے اور غربا و مزدور بھی مطمئن رہیں لیکن سوشلزم اور کمیونزم ایک برائی کے انسداد کے لیے دوسری برائی پیدا کرنے کے حق میں ہیں وہ سرمایہ کو بالکل ہی اڑا دینا چاہتے ہیں اور اسے چھین کر عام نظام کے ماتحت کر دینا چاہتے ہیں۔

رسول نمبر۔ رسالہ مولوی ربیع الاول ۱۳۵۷ھ دہلی،

(حضرت شاہ مراد مارہروی)

---

# شہادت اور ماتم

ضیاء الرحمٰن فاروقی - کہروڑپکا

اہل اسلام میں عرصہ دراز سے اس بات پر تعجب محسوس ہو رہا ہے کہ شہادت اور ماتم کی دو ایسی متضاد حالتوں کا اجتماع کیسے اور کیوں دین و شریعت کی اوٹ لیے ہوئے ہے۔ جس کے لیے شریعت و عقل اور حکومت و سلطنت میں کسی طرح بھی گنجائش نہیں۔ دس محرم کے اس روایتی رسم و رواج پر کوئی تعلیم یافتہ بھی نالہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اسلام میں شہادت ایک قابل فخر، قابل عزت اور قابل تحسین مرتبہ ہے اور اس پر نوحہ یا ماتم کرنا کسی قوم کی کم عقلی یا اس کے غلط اپنائے ہوئے اصولوں کا مفرط جنون ہے۔ جس پر ہر کس و ناکس حیرت و استعجاب میں پڑا ہوا ہے۔

## شہادت مصیبت ہے یا نعمت؟

علمی حلقوں کے اس حقیقت پسندانہ تجزیے پر غور کرنے سے معاشرے کی اس فرضی رسم کی کچھ حقیقت باقی نہیں رہتی۔ اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ شہادت نعمت ہے یا مصیبت، تو قرآن و حدیث، اجماع امت، احوال امم، اور اقوام و ملل کی اہم ترین ضرورتوں کے مطابق یہی معلوم ہوگا کہ شہادت نعمت ہے۔ کیونکہ اس کو مصیبت کہنا تو روایاتِ سلف اور اسلام کی اصلی روح کے قطعی منافی ہے۔

سب سے پہلے ہم قرآن مجید سے ثابت کریں گے کہ شہادت نعمت عظمیٰ ہے اور شہداء کو امتِ مسلمہ میں مقدس مرتبہ سے نوازا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۝ جن لوگوں پر اللہ تعالٰے نے انعام فرمایا ہے وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ شہادت نعمت ہے اور شہید منعمین میں سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد احادیث اور صحابہ کرامؓ کے شوقِ شہادت اور ایمان افروز واقعات سے شہادت کی عظمت و مرتبت کا پتہ چلتا ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے والذی نفسی بیدہٖ لوددت ان اقتل فی سبیل اللّٰہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل (مشکوٰۃ) "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

اس کے علاوہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دعا بھی احادیث میں مذکور ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک الخ اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت نصیب فرما۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور فجر کے وقت ابو لؤلؤ کے ہاتھوں مسجد نبوی میں شہید ہوئے۔ علاوہ ازیں حضور علیہ السلام کے زمانہ کی ۲۳ جنگوں اور ۴۳ سریوں میں تقریباً اڑھائی سو صحابہ شہید ہوئے۔ عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں سات سو قاری شہید ہوئے۔ اگر شہادت نعمت نہ تھی تو ایک لاکھ ۲۹ ہزار کم و بیش صحابہ کرام میں کسی نے اس کی مصیبت کے باعث میدان جنگ سے اعراض کیا؟ بلکہ صحابہ کرام کے بچوں اور بوڑھوں میں بھی شہادت کا ایسا جذبہ موجود تھا جس پر عیسائی مؤرخ آج تک رطب اللسان ہیں۔

اس کے بعد اگر خلاف مقصود تسلیم ہی کر لیا جائے کہ شہادت مصیبت ہے (حالانکہ اس کے تسلیم کرنے

میں قوم و ملت اور دین و شریعت کی حدود سے تجاوز کرنا ہوگا) تو مصیبت پر صبر کی تلقین نہیں فرمائی گئی۔ پھر ماتم کیسے اور کیوں ؟ کیا حضور علیہ السلام نے ماتم کرنے والوں پر لعنت نہیں فرمائی ؟ کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ میں سے کسی ایک نے کسی کی شہادت یا قتل پر ماتم کیا ؟ خود امیر حمزہؓ کی دلگداز شہادت پر حضور علیہ السلام نے ماتم کیا ؟ امام مظلوم سیدنا عثمان غنیؓ کی جگر سوز شہادت پر دوسرے جلیل القدر صحابہؓ میں سے کسی نے ماتم یا نوحہ کیا ؟ خود علی المرتضیٰؓ کی شہادت پر حسنینؓ نے ماتم کیا ؟ — نہیں — بلکہ انہوں نے اسلام کے سچے اصول صبر ہی پہ عمل کیا — جیسا کہ سورۃ عصر میں وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کی آیت میں صبر کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

"ائمۃ تلبیس" کتاب میں لکھا ہے کہ تعزیے اور ماتم کی ابتدا حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے سات سو سال بعد ہوئی۔ جس سے اس غلط رسم کی نظریاتی کمزوری میں کچھ شبہ نہیں رہتا۔ مذہبی تحفظ کے لحاظ سے اس بدعت شنیعہ کو اگر دیکھا جائے تو عراق اور ایران جہاں کی حکومتیں بھی مذہب شیعہ سے متعلق ہیں۔ ان کی طرف سے یہ تمام قسم کا ماتم ممنوع ہے اور خود شیعہ ملک میں اس اختراع کی تردید کی گئی ہے۔

قرآن مجید کے مطابق شہداء زندہ ہیں اس لیے: ع
"ہم زندۂ جاوید پہ ماتم نہیں کرتے"

# نعت الرسولؐ

پروفیسر محی الدین خلوت

مسندِ قیامِ محفلِ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم / فخرِ تبارِ حضرتِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
چشم و چراغِ ملتِ بیضا بحرِ کرم کا وہ دُرِّ یکتا / رحمتیں جس کی برسے ہیں چھم چھم صلی اللہ علیہ وسلم
وردِ زباں ہے چرخِ کہن کے لب پہ رواں ہے سرو و سمن کے / صبحِ ازل سے نغمۂ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم
عطر ملیں اسکے فخر کی شان ہے یمن و سعادت کا وہ جہاں ہے / وہ ہے ہمارا مونس و ہمدم صلی اللہ علیہ وسلم
ختمِ نبوت، شافعِ امت، نکتہ شناسِ درسِ اخوت / ماہِ تمامِ دودۂ ہاشم، صلی اللہ علیہ وسلم
مرہمِ زخمِ سینہ فگاراں چارۂ دردِ قلبِ پریشاں / شاملِ حالِ دیدۂ پُرنم صلی اللہ علیہ وسلم
لشکرِ باطل ہوگیا درہم ٹوٹ گیا سب کفر کا دم خم / حق کا پیامی آیا جس دم صلی اللہ علیہ وسلم
آمنہ کا وہ نورِ نظر ہے دُرجِ سعادت کا وہ گہر ہے / اس پہ ہیں جان و دل سے فدا ہم صلی اللہ علیہ وسلم
بزمِ سما کی شمعِ فروزاں آیۂ رحمت فخرِ دوراں / لطف سے جس کے قطرہ ہوا یم صلی اللہ علیہ وسلم
مہرِ منیرِ چرخِ رسالت غازۂ روئے عالمِ فطرت / ہادیِ اکبر محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
صدر نشینِ خلوتِ یزداں صبحِ بہارِ گلشنِ ایماں / پیکرِ احساں نورِ مجسّم، صلی اللہ علیہ وسلم

# مسلک اعتدال
## اختلاف میں اعتدال کی بہترین راہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ

مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے۔ ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آیا ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی عامی ایسی چیز سے پریشان ہو تو بعید نہیں۔ مگر تم جیسے سمجھدار علمی مناسبت رکھنے والے کو اس سے متعجب ہونے اور اس طرح سے متاثر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں تو اس چیز میں اتنا ٹھنڈا ہوں کہ کہہ نہیں سکتا۔ شوال میں حدیث کے اسباق کی بسم اللہ ہوتی ہے اور رجب میں ختم ہوتی ہے۔ ان دس ماہ میں اسباق کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں کم از کم بیس مرتبہ یہ کہنا پڑتا ہو کہ فلاں امام کا یہ مذہب ہے اور فلاں کا یہ ہے، صحابہؓ کے یہ ہیں، تابعین میں یہ اختلاف ہے۔ اگر آپس کا اختلاف ہی اخلاص کے منافی ہو گا تو ہمیں بڑی مشکل پیش آجائے گی کہ ان سب حضرات رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ تعالٰی کو مخلصین کی جماعت سے خدانخواستہ نکالنا پڑ جائے گا۔ رہا شدید اختلاف ہونا تو میں کچھ شدید بھی نہیں سمجھتا۔ اتنا ہی تو ہے کہ ایک وقتی مسئلہ میں ایک حضرت کی رائے کچھ ہے دوسرے حضرت کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اب خود جو شخص اہل الرائے ہے حالات کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے۔ فوائد و شرور سے واقف ہے اس کو چاہیے کہ جس کو دیانۃً حق پر سمجھتا ہے اس کو اختیار کرے۔ جو خود اتنی سمجھ نہیں رکھتا اس کو چاہیے کہ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہو، دو چار دن قیام کرے یا اگر حالات سے پہلے سے واقف ہو تو پھر اس کی ضرورت نہیں جونسے حضرت سے عقیدت زیادہ ہو۔ ان کا اتباع کرے۔ ايهم اقتديتم اهتديتم۔ اس میں لڑائی کی کیا بات ہے اور جھگڑا کیا ہے۔ اور میں پوچھتا ہوں کہ آخر ان اکابر کا اختلاف آپ کی نظر میں شدید کیوں ہے کیا یہ اختلاف جنگ جمل سے بھی بڑھ گیا ہے جس میں دونوں طرف سے تلواریں چل رہی تھیں۔ تم ہی بتاؤ کہ کہ ان میں سے کون سے فریق کو مخلصوں کی جماعت سے نکال دوگے۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی آئے تو رضی اللہ عنہ کہتا ہے، خلیفہ برحق کہتا ہے، مرجع الاولیاء کہتا ہے اور حضرت عائشہؓ کا نام آئے رضی اللہ عنہا کہتا ہے، امّ المومنین کہتا ہے اور حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی بیوی کہتا ہے اور اختلاف کا حال معلوم ہی ہے۔ کہ جنگ جمل کا نام قیامت تک اس اختلاف کی یاد کو باقی رکھنے والا ہے۔ سنو!

چونکہ میں تم پر اپنا کافی حق سمجھتا ہوں۔ اس لیے زوردار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا۔ اگر خدانخواستہ ایسا کروگے تو اپنا ہی نقصان کروگے ان حضرات کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ مجھے تو بعض لوگوں پر جب وہ ان دونوں اکابر میں سے کسی کی شان میں گستاخانہ غیبت اور بے ادبی کرتے ہیں بہت ہی تعجب ہوتا ہے اور ان اکابر پر رشک آتا ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اپنے دینی، علمی، عملی کارناموں کے ساتھ جن کے ثمرات وہ شب و روز لوٹتے ہیں۔ دوسروں کی نیکیاں بھی سمیٹ رہے ہیں اور یہ بیچارہ غصہ میں یوں کہہ رہا ہے کہ چونکہ مجھے تم پر غصہ بہت ہی آرہا ہے۔ اس لیے میری عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں بھی تمہی لیتے جاؤ۔ کس قدر اپنے اوپر یہ شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے

جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر بن رہا ہے اور محروم بن رہا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔ مَا تَعُدُّونَ الْمُفْلِسَ فِيكُمْ قُلْنَا مَنْ لَا مَالَ لَهُ قَالَ لَيْسَ بِذَالِكَ وَلٰكِنَّهُ الَّذِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِحَسَنَاتٍ وَيَأْتِي قَدْ ظَلَمَ هٰذَا أَوْ شَتَمَ هٰذَا أَوْ أَخَذَ مَالَ هٰذَا وَلَيْسَ هُنَاكَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ فَيُؤْخَذُونَ مِنْ حَسَنَاتِهِ وَلَا تَفْنِي فَيُؤْخَذُ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ فَيُطْرَحُ عَلَيْهِ (جمع الفوائد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ مفلس تم لوگ کس کو سمجھتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مفلس نہیں ہے بلکہ حقیقۃً مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نیکیاں لے کر حاضر دربار ہو۔ مگر دنیا میں کسی پر ظلم کیا تھا، کسی کو گالیاں دی تھیں۔ کسی کا مال چھین لیا تھا۔ قیامت میں روپیہ پیسہ تو ہے ہی نہیں وہاں تو سارے حساب نیکیوں اور گناہوں سے پورے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے ان مظالم کے بدلے میں اس شخص کی نیکیاں ان لوگوں کو دلائی جائیں گی جن پر ظلم کیا تھا اور ان کو برا بھلا کہا تھا۔ اور جب اس شخص کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو بہرحال ان کے تو حقوق کو پورا کرنا ہی ہے۔ اس لیے بقدر ان حقوق کے جس قدر گناہ ان لوگوں کے وزن میں آ جائیں گے وہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔ تو اصل مفلس یہ ہے کہ بہت کچھ کمائی (نماز، روزہ اور دینی کاموں کی) لے کر گیا تھا اور حال یہ کہ دوسروں کے گناہ بھی سر پڑ گئے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی تو غیبت کی جاتی ہے، ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور فساق اور کفار کی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں وارد ہے۔ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ (مشکوٰۃ شریف) جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ ناراض ہوتے ہیں اور عرش تھرّانے لگتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی تعریف نہ کی جائے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ کہ کس شخص کی تعریف کس حد تک اور کن قواعد کے تحت میں جائز ہے۔ اور کس حد تک ناجائز ہے۔

میری غرض یہ ہے کہ اللہ والوں کو برا نہ کہا جائے۔ کسی کی خلاف شرع تعریف نہ کی جائے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کسی ایک جانب غلطی ہے تو کیا اس کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے سارے دینی کمالات سے آنکھیں پھوڑ لی جائیں۔ شریعت مطہرہ نے ہم لوگوں کو ایک ایک جزء اور ایک ایک چیز کی تعلیم دی ہے۔ ہم لوگ باوجود ادعائے مذہبیت کے ان کی پروا نہیں کرتے اور دوسری قومیں ان زریں اصولوں پر عمل کر رہی ہیں۔ اور بڑھ رہی ہیں اور ہم لوگ مار کھا رہے ہیں اور نقصان اٹھا رہے ہیں۔

سنو! میں تسلیم کرتا ہوں کہ کسی ایک جانب غلطی ہے اور وہ ایسی کھلی غلطی ہے۔ کہ تم اس کو قبول کر ہی نہیں سکتے۔ نہ کرو۔ کون مجبور کرتا ہے۔ لیکن اس بارہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وصیت سامنے رکھو۔ انہوں نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے اور اللہ ان پر رحمت کرے کس قدر نفیس بات کہی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں وَاُحَذِّرُکُمْ زَیْغَۃَ الْحَکِیْمِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَۃَ الضَّلَالَۃِ عَلٰی لِسَانِ الْحَکِیْمِ وَقَدْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُ کَلِمَۃَ الْحَقِّ قُلْتُ لِمُعَاذٍ مَا یُدْرِیْنِیْ رَحِمَکَ اللّٰہُ اَنَّ الْحَکِیْمَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَۃَ الضَّلَالَۃِ وَاَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَۃَ الْحَقِّ قَالَ بَلٰی اِجْتَنِبْ مِنْ کَلَامِ الْحَکِیْمِ الْمُشْتَہِرَاتِ الَّتِیْ یُقَالُ لَہَا مَا ہٰذِہٖ وَلَا یُثْنِیَنَّکَ ذَالِکَ عَنْہُ فَاِنَّہٗ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّرَاجِعَ وَتَلَقَّ الْحَقَّ اِذَا سَمِعْتَہٗ فَاِنَّ عَلَی الْحَقِّ نُوْرًا۔ میں تمہیں حکیم کی کجی سے ڈراتا ہوں کہ شیطان کبھی ناحق بات حکیم کی زبان سے کہہ دیتا ہے اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔ جب ایسا ہے تو مجھے کس طرح معلوم ہو گا کہ حق کیا ہے اور گمراہی کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہاں حکیم کی ایسی باتوں سے پرہیز کرو جن کے متعلق یہ کہا جائے کہ کیا ہو گیا، یہ کیسے کہہ دیا اور اس کا خیال رکھنا کہ حکیم کی یہ باتیں تجھے روگردان نہ کر دیں بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع کر لے اور جب حق بات سنو تو اسے قبول کرو۔ کیونکہ حق پر نور ہوتا

ہے) اب غور کرو کہ حضرت معاذؓ نے اس ضابطہ اور نصیحت میں کتنے اہم امور ارشاد فرما دیے ہیں۔

۱۔ ہر حق بات کہنے والا حکیم نہیں کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ اس لیے محض ایک بات کسی کی سن کر اس کا معتقد نہ ہونا چاہیے۔ ہماری عادت یہ ہے کہ ایک تقریر کسی کی سنی یا ایک مضمون کسی کا پڑھا فوراً اس کے معتقد ہو گئے۔ ساتویں آسمان پر اس کو پہنچا دیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک شخص کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بددین ہے فاسق ہے مگر بات ہماری مرضی کے موافق کہہ رہا ہے تو اس کو اتنا پکا دیندار ثابت کریں گے کہ معاذ اللہ نبوّت کے قریب پہنچا دیں گے۔ پھر اسی کی کوئی بات اپنی رائے کے خلاف سنیں گے تو اس کو تحت الثریٰ میں پھینک دیں گے اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق ہم صبح کو زندہ باد کہتے ہیں، شام کو مردہ باد کہنے لگیں گے۔ يُصْبِحُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا سے اگر اس کو تشبیہ دوں تو کیا بے جا ہے۔

۲۔ حضرت معاذؓ نے دوسری بات یہ فرمائی کہ حکیم سے کجی کی بات ہو جاتی ہے۔ اس لیے محض ایک آدھ بات کی وجہ سے غیر معتقد نہیں ہونا چاہیے بلکہ دونوں کے مجموعے سے یہ اصول معلوم ہوا کہ اوّل تو آدمی کی حالت کا پورے غور و تعمق سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ اکثر و بیشتر امور میں شریعت مطہرہ کا متبع ہے اور سنت نبویہ کا دلدادہ ہے تو بے شک وہ قابل اتباع ہے۔ قابل اقتدا ہے۔ پھر اگر کسی کو پوری ذمہ دارانہ تحقیق سے کوئی بات اس کے خلاف معلوم ہو تو اس بات کو نہ لینا چاہیے لیکن اس کی وجہ سے اس حکیم سے علیحدگی اختیار نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ تو رجوع کر لے اور تم ہمیشہ کے لیے اس سے چھوٹ ہی جاؤ گے۔

یہ اجمال ہے حضرت معاذؓ کے ارشاد کا تفصیل میں غور کے بعد بہت سی گنجائش ہے۔ اب موجودہ صورت کو جانچو، ہمارا طرزِ عمل کیا ہے۔ ایک بات اپنے ذہن میں صحیح سمجھ لی۔ کیسی ہی معمولی سی بات ہو، کتنی ہی جزوی چیز ہو۔ پھر کسی کا مضمون کسی کی تقریر اس کے موافق دیکھ لی یا سن لی تو اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیے جاتے ہیں، اس کو سراہا جاتا ہے اس کی جا و بے جا حمایت کی جاتی ہے اس میں خلافِ شرع جو واقعی باتیں ہوں اُن کو معمولی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ سخت چیز ہے۔ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ جو بات حق ہے اس کو حق کہا جائے۔ جو غلط ہے اس کو غلط کہا جائے لیکن ہمارا عمل یہ ہے کہ اس شخص کی حمایت میں ان شرعی امور ہی کو سرے سے لغو بتا دیا جاتا ہے۔ جن کی وہ خلاف ورزی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اسلام کے اہم ترین رُکن جس کو سینکڑوں احادیث میں کفر و اسلام کا امتیاز بتایا گیا ہے۔ یعنی نماز اس کے متعلق بھی ایسے الفاظ ہماری زبان و قلم سے نکلتے ہیں جن کی نقل سے بھی کوفت ہوتی ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ہمارا ممدوح نماز نہیں پڑھتا، نماز کے ساتھ استخفاف کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اگر کسی کی کوئی معمولی سی بات اپنی رائے کے خلاف سن لی یا دیکھ لی تو اس کا ہر فعل عیب ہے جو واقعی خوبیاں اس میں ہیں وہ بھی سراسر مذمت کے قابل سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ شرع اور عقل و فہم کے نزدیک ہر چیز کا ایک مرتبہ ہے جس سے نہ گھٹانا چاہیے نہ بڑھانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ۔ لوگوں کو ان کے مرتبہ میں رکھا کرو۔ (نہ مرتبہ سے بڑھاؤ نہ گھٹاؤ) لیکن ہم لوگوں کا عام برتاؤ آج کل یہ ہے کہ ہر چیز میں افراط و تفریط ہے اعتدال کا ذکر ہی نہیں۔ علاوہ ازیں اگر یہ مان بھی لوں کہ ان حضرات میں شدید اختلاف ہے۔ تو یہ بھی سمجھ لینے کی بات ہے کہ اہل حق میں شدید اختلاف کا ہو جانا نہ منقصت ہے نہ شریعت کے خلاف بلکہ جب کسی امر میں اہل حق کے نزدیک اختلاف ہو گا۔ تو جس درجہ کا وہ امر اور وہ اختلاف ہو گا اس درجہ کی اس میں شدت بھی ہو گی۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک امر کو کوئی شخص فرض سمجھتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے یا ایک شخص واجب سمجھتا ہے دوسرا مکروہ تحریمی تو اس میں آپس میں مخالفت منازعت تردید ضروری ہے۔ یہی چیز ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کو آپس میں قتال تک پر مجبور کیا۔

ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ جن کی تحقیق اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کَذَبَ (جھوٹ بولا) علماء اس ارشاد کو صحابی کی شان میں ہونے کی وجہ سے توجیہہ فرماتے ہیں۔ لیکن ظاہر الفاظ یہی ہیں۔ اس لیے اگر کسی امر حق کی تحقیق میں کوئی سخت لفظ نکل جائے تو اس کی توجیہہ ہم کو بھی تو کرنا چاہیے۔

حدیث کی کتابوں میں سینکڑوں نظیریں اس کی ملیں گی اور یہ حضرات اپنے اس زور و شور میں اس لیے معذور ہیں کہ ان کے پیش نظر اَلَا لَا یَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَیْبَةُ النَّاسِ اَنْ یَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَهٗ جیسے ارشادات نبوی بکثرت موجود ہیں۔ ترجمہ۔ خبردار! کسی شخص کو امر حق کہنے سے لوگوں کی ہیبت نہ روکے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نقل فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا کہ بہت سے امور ہم نے دیکھے اور ہیبت ہمارے لیے مانع ہوگئی۔

نیز مشہور حدیث ہے مَنْ رَاٰی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ جو شخص کوئی ناجائز چیز دیکھے اس کو ہاتھ سے بند کر دے۔ ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے بند کر دے۔ زبان سے بھی نہ کر سکے تو (کم از کم) دل سے تو اس پر نکیر کرے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ اس قسم کی بہت سی نصوص ہیں۔ یہ ارشادات ان حضرات کو مجبور کرتے ہیں کہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اور جس درجہ کا حق سمجھتے ہیں اس کو اصرار سے بیان فرمائیں اور شائع کریں اور اس کے خلاف پر نکیر کریں اور شدت سے کریں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نکیر کرنے والا اس کا اہل ہو کہ نکیر کر سکے۔ ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا۔ اس میں نہ تشویش کی کوئی وجہ ہے نہ کوفت کی۔ البتہ یہ میرا بھی دل چاہتا ہے اور تمنا و دعا ہے کہ مسلمان خصوصاً اپنے اکابر ایک نظریہ پر متفق ہو جائیں۔ اگرچہ اس میں تنگی ضرور ہو جائے گی کہ اختلاف کی وسعت جاتی رہے گی۔ لیکن اور بہت سی مضرتوں سے خلاصی بھی ہو جائے گی۔ مگر اس کی صورت نہ یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے اکابر کو سب و شتم کرے نہ یہ ہے کہ ان کے غیر واقعی عیوب پھیلائے کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم۔ بجائے نفع کے صرف نقصان ہے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر بھی غور کریں۔

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَّلَا لَعَّانٍ وَّلَا فَاحِشٍ وَّلَا بَذِیٍّ۔ مومن نہ تو طعنے باز ہوتا ہے نہ لعنت باز نہ فحش گو ہوتا ہے نہ بدگو۔

دوسری حدیث میں ہے سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ كُفْرٌ۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کر ڈالنا کفر کی بات ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ یَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ یُفْضِ الْاِیْمَانُ اِلٰی قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تُعَیِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّ مَنْ یَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ یَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ یَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ یَفْضَحْهُ وَلَوْ فِیْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔ اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام کے مدعی ہو اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا ہے۔ تم لوگ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچایا کرو۔ اور ان کو عار نہ دلایا کرو۔ ان کے عیوب کے درپے نہ ہوا کرو جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے درپے رہتا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کے عیب کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ جس کے عیب کے درپے ہو جائیں اس کو پردہ کے اندر سے بھی رسوا فرما دیتے ہیں۔

بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ سمجھدار اور پکے لوگ جو حالات سے بھی واقف ہوں اور اہل علم بھی ہوں کہ ہر بات کا شرعی درجہ سمجھ سکیں۔ متحمل مزاج بھی ہوں۔ جانبین طویل طویل گفتگو کریں۔ مفصل اور پکے صحیح حالات سنائیں اور ان کی سنیں۔ انشاء اللہ کسی وقت میں اختلاف رفع ہو جائے گا۔ اور جو یہ نہ کر سکتے ہوں وہ ان کو معذور سمجھیں اور اپنی تقصیر پر بری طرح سے افسوس

کریں بیکس گالیاں دینا بہ عام مومنوں کو بھی جائز نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کر ابھی نقل کیا گیا ہے۔ کہ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ (مومن کو گالیاں دینا فسق ہے) اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود ابوہریرہ سعد عبداللہ بن مغفل عمرو بن النعمان اور جابر (جامع الصغیر) اتنے جلیل القدر اور اکابر صحابہؓ نے نقل کیا ہے۔ پھر چہ جائیکہ اولیاء اللہ کو گالیاں دینا برا بھلا کہنا کہ اس میں اپنا ہی کچھ بگاڑنا ہے کسی کا کیا نقصان ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ (مشکوٰۃ بخاری وغیرہ) جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔ تم خود سمجھ لو کہ اللہ جل جلالہٗ سے لڑائی کر کے دنیا میں کون شخص فلاح پا سکتا ہے۔ اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

یہ مضمون کئی حدیثوں میں مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ الفاظ بالا حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بخاری شریف میں نقل کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہؓ حضرت میمونہؓ حضرت معاذؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوامامہ وہب بن منبہ سے بھی نقل کی گئی ہے۔

بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کو ستایا وہ میرے ساتھ لڑائی پر اتر آیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کے لیے سامنے آتا ہے۔ (فتح الباری)

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ معاذ! کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا کہ میں نے اس (پاک) قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بات سنی تھی۔ اس کی وجہ سے رو رہا ہوں (مبادا میں کہیں مبتلا ہو جاؤں) میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ تھوڑا سا دکھلاوا بھی شرک ہے اور جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لیے مقابلہ کرتا ہے۔ (حاکم مستدرک)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ جل شانہٗ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے لڑنے کے لیے مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوتا ہوں جیسے غضب ناک شیر (در منثور) حضرت وہب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤدؑ کی کتاب (زبور) میں اللہ جل جلالہٗ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم ہے جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر اُتر آیا ہے۔ (درمنثور صہ ۱۲۹)

کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو اس کا بھلا ٹھکانا کہاں۔ اور پھر اگر اس کے معاوضہ میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک کان آنکھ جاتے رہیں تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہرحال ختم ہونے والی ہے۔ اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے لیکن خدانخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے، کسی بددینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہٗ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوء خاتمہ کا سخت اندیشہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

صاحب مظاہر حق نے بھی لکھا ہے کہ اللہ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بد ہونے پر ایک مسلمان کے لیے خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی مرغوب اور لازوال نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے

خراب ہونے کا اندیشہ ہو، تم ہی سوچو کہ کتنی خطرناک چیز ہوگی۔

شیخ احمد نے جامع الاصول میں لکھا ہے۔ اُن حضرات صوفیہ پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں، بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف و اسرار کے حامل ہوں زہر قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے۔ بڑی سخت وعید اس بارہ میں وارد ہوئی ہے اور یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہٗ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا (معاذ اللہ) اندیشہ ہے۔

اس کے بعد موصوف نے بہت طویل بحث اس میں کی ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں۔ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں ورنہ مجھ سے تعلق نہ رکھیں۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی ہمیشہ اس کی خصوصیت سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس بقیۃ السلف حجۃ الخلف شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں ذٰلِکَ بِمَا عَصَوا وَّکَانُوا یَعْتَدُوْنَ کے ذیل میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے کہ ان یہود کو کفر اور انبیاء کے قتل پر جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے انبیاء کی نافرمانی کی اور یہ خصلت نافرمانی کی ان میں آہستہ آہستہ مستحکم ہوتی گئی۔ اور یہ لوگ گناہوں میں حد سے تجاوز کرتے گئے یہاں تک کہ ان گناہوں کو بہتر جاننے لگے اور جو ان کو گناہوں سے منع کرتا تھا اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انبیاء کو جو گناہوں کے منع کرنے میں مبالغہ کرتے تھے قتل کر ڈالا۔ اور قرآن کی آیات کا صریح انکار کیا اور یہ گناہ کی نحوست ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ اعتقاد میں بھی فتور پھر تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء ربانی گناہوں کی مداومت سے نہایت ہی تاکید سے منع کرتے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور جو چیز ان سے مانع ہو اس کی برائی دل میں جم جاتی ہے۔ حتیٰ کہ آخیر نوبت کفر کی حدود تک پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے مَنْ تَہَاوَنَ بِالْاٰدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّۃِ وَمَنْ تَہَاوَنَ بِالسُّنَّۃِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ وَمَنْ تَہَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَۃِ جو شخص شریعت کے آداب کو ضعیف اور ہلکا سمجھتا ہے اس کو سنت سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے اور جو شخص سنت کو ہلکا اور ضعیف سمجھتا ہے اس کو فرائض کی محرومی کی سزا دی جاتی ہے اور جو فرائض کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ بہت ہی اندیشہ ناک بات ہے۔ شریعت کے معمولی آداب کو بھی استخفاف اور فضول سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے کہ اس سلسلہ کی ہر کڑی اپنے سے اوپر کی دولت سے محرومی کا سبب بنتی ہے چہ جائیکہ اہل اللہ کے احترام کو جو اہم آداب میں سے ہے۔ اور جب آداب کے ساتھ استخفاف کا سلسلہ فرائض کے استخفاف اور منتہا میں کفر تک پہنچانے والا ہو تو تم ہی سوچو کہ کتنا خطرناک معاملہ ہے۔ لوگ معمولی آداب اور معمولی گناہوں کو ہلکا سمجھ کر لاپروائی کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ دین کا ہر جزء کچھ ایسا آپس میں مرتبط ہے کہ ہر کڑی دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قوم کسی بدعت کو اختیار کرتی ہے۔ اللہ جل جلالہٗ ایک سنت ان سے اٹھا لیتے ہیں جو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ کسی شخص کے ہلاک فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس سے حیا و شرم کو زائل کر دیتے ہیں اور جب وہ بے شرم بن جاتا ہے تو اس کو دیکھیے گا کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں مبغوض بن جائے گا اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس سے امانت زائل ہو جائے گی اور وہ خائن بن جائیگا۔

اور علی الاعلان خیانت کرنے لگے گا۔ اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس کے دل سے رحمت نکال لی جائے گی اور وہ مخلوق پر شفقت نہ کرے گا۔ اور جب اس درجہ کو پہنچ جائے گا تو لوگوں کے یہاں مردود اور ملعون بن جائے گا۔ اور جب اس درجہ کو پہنچ جائے گا تو تُو دیکھے گا کہ اسلام کی رسّی اس کے گلے سے نکل جائے گی۔ (جامع الصغیر)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص کسی مسلمان کو اذیت پہنچاتا ہے وہ مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے اور جو مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے وہ اللہ جل شانہٗ کو اذیت پہنچاتا ہے۔ (جامع الصغیر)

کتنی سخت بات ہے کہ جب عام مسلمانوں کا یہ حکم ہے تو اللہ والوں کو اذیت پہنچانا جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہیں کتنا سخت ہو گا۔

علامہ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں۔ کہ امام ابو تراب بخشی جو مشائخ صوفیہ میں سے ہیں۔ یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہٗ سے اعراض کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ نیکاں بُرد

شیخ ابوالحسن شاذلی جو اکابر صوفیہ اور مشہور ائمہ تصوف میں ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کو جھگڑالو لوگوں کے ساتھ ہمیشہ سے ابتلا رہا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اولیاء کا اعتقاد تو ظاہر کرتے ہیں لیکن خاص خاص اللہ والوں کی نسبت یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ یہ ولی کیسے ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص خود ولایت سے ناواقف ہے وہ کیسے کسی کی ولایت کا انکار کر سکتا ہے۔

شیخ نے آگے چل کر ان اسباب کا مفصل ذکر فرمایا ہے جو مشائخ پر انکار کا ذریعہ بنتے ہیں — منجملہ ان کے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بعض مشائخ لوگوں کی نگاہ سے اس وجہ سے مستور ہوتے ہیں۔ کہ وہ امراء اور اغنیاء سے ملتے جلتے ہیں اور ان لوگوں کو اس اعتراض کا موقعہ ملتا ہے۔ کہ اگر یہ اللہ کے ولی ہوتے تو یکسوئی کے ساتھ کونے میں بیٹھ کر علم و عبادت میں مشغول ہوتے۔ لیکن وہ معترض اپنے دین کی حفاظت کرتا تو یہ بھی غور کرتا کہ یہ امراء سے ملنے والا شخص اپنی ذات کے لیے مل رہا ہے یا کسی دینی غرض اور دینی منفعت کے لیے یا مسلمانوں کی کسی بہبود کے لیے اور ان سے کسی مضرت کے رفع کرنے کے لیے مل رہا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات ایسی مصالح کی بناء پر ان لوگوں سے ملنا جلنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا حرام بن جاتا ہے (طبقات)

یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لو کہ اہل اللہ بعض مرتبہ اپنے بُرا بھلا کہنے والے سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ چیز ظاہر بینوں کے لیے حجاب کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عوام کی طرح جذبات سے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض اوقات یہ بڑی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد صاحب کے والد شیخ عبدالاحد کی شان میں کسی عورت نے گستاخی کی۔ انہوں نے صبر و سکوت فرمایا۔ اتنے میں دیکھا کہ غیرتِ الٰہی جوشِ انتقام میں ہے۔ شیخ نے فوراً ایک شخص سے جو اس وقت موجود تھا کہا کہ اس عورت کے ایک تھپڑ مارے۔ اس کو تردد ہوا۔ ادھر وہ عورت گر کر مر گئی۔

اس قسم کے واقعات مشائخ کے حالات میں کثرت سے ملتے ہیں اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے نزدیک تو اس نوع کی سزا کسی دینی مصیبت میں ابتلا سے بہت سہل ہے۔

حضرت شیخ علی خواصؒ جو مشہور اولیاء میں سے ہیں فرماتے ہیں۔ کہ اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ کسی ایسے شخص کی بات پر کان دھرو جو علماء یا مشائخ صوفیہ پر (بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہٗ کی نگاہِ حفاظت سے گر جاؤ گے اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار

ہو گے۔ (طبقات کبریٰ)

شیخ ابوالفوارس شاہ بن شجاع کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں ہے کہ ان کی محبت اللہ جل شانہ کی محبت کی علامت ہے۔ (نزہتہ البساتین)

اس لیے تمہیں خاص طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت اور تعلق پیدا کر سکو اس میں ذرا کمی نہ کرنا۔ امید ہے کہ میری یہ نصیحت قبول کرو گے ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را !

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کا شمار اور حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن (اعمال کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے) ان تک نہیں پہنچ سکتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ آدمی انہیں لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے ایک صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تو نے قیامت کے واسطے کیا تیار کر رکھا ہے (کہ انتظار و اشتیاق میں ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اس کے سوا کچھ تیار نہیں کر رکھا ہے کہ اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی۔ کسی چیز سے نہیں ہوئی۔ (مشکوٰۃ شریف)

ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اس لیے جتنی بھی خوشی ان حضرات کو ہوئی ہو گی قرینِ قیاس ہے۔ اور ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی، ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب اور دین پر ہوتا ہے۔ لہٰذا خود ہی دیکھ لے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

یہ مضمون احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں اللہ والوں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا اور بے دین لوگوں سے علیحدگی اور اجتناب کرنا اہتمام سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اہل اللہ سے جتنا تعلق اور محبت پیدا ہو سکے وہ اکسیر ہے۔ دونوں جہان میں کام آنے والی چیز ہے ؎

دست در دامنِ مرداں زن و اندیشہ مکن
ہر کہ با نوح نشیند چہ غم از طوفانش

اہل اللہ سے جتنی بھی محبت پیدا کر سکو دریغ نہ کرنا اور بے دین لوگوں سے جتنا بھی ممکن ہو احتراز کرنا اور یکسو رہنا (حضرت لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جاہل کی دوستی میں کبھی رغبت نہ کرنا کہ تیرے تعلق سے وہ اپنی حرکتوں کو تیری نگاہ میں اچھا سمجھنے لگے اور حکیم کی ناراضی کو ہلکا نہ سمجھنا کہ وہ اس وجہ سے تجھ سے اعراض کرنے لگے۔ (در منثور ص ۱۶۳/۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صالح اور بہتر ہمنشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والا ہو کہ اگر اس سے مشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو تو پہنچے ہی گی۔ اور برے ہمنشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی دھونکنے والا ہو کہ (اگر کوئی چنگاری وغیرہ گر گئی) تو بدن جلا دے گی یا کپڑے جلا دے گی اور (اگر چنگاری نہ بھی اڑے) تو اس کا دھواں اور بو تو پہنچے ہی گی۔ بخاری مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔

حضرت لقمان حکیم کی نصیحت ہے کہ بیٹا صلحاء کی مجلس میں بیٹھا کر۔ اس سے تو بھلائی کو پہنچیگا۔ اور ان پر رحمت نازل ہو گی تو تو اس میں شریک ہو گا اور بروں میں نہ بیٹھا کر کہ اس سے بھلائی کی توقع نہیں اور کسی وقت ان پر کوئی آفت نازل ہوئی تو تو بھی شریک ہو جائے گا۔ (در منثور ص ۱۶۴/۵)

اس لیے بری صحبت کے اثرات سے بہت احتراز کرنا چاہیے اور اللہ والوں کی صحبت اور ان کے پاس بیٹھنے کو اکسیر سمجھنا چاہیے۔ ان کی صحبت نیک اعمال کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔ البتہ جیسے ہر چیز

باقی ص ۳۰ پر

# ماہِ مُحرّم

## نزولِ برکات کا خاص مہینہ ہے

### محرم الحرام، اسلام سے پہلے بھی لائق احترام سمجھا جاتا تھا

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ط

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک حیثیت متعین فرما دی ہے جیسے انسانی معاشرہ کے مختلف گروہوں میں افراد انسانی کی صلاحیتوں اور ان کے اعمال و کردار کے لحاظ سے ہر ایک دوسرے سے الگ اپنا ایک درجہ رکھتا ہے ایسے ہی پوری کائنات میں ہر نوع اور ہر جنس کے افراد کسی نہ کسی سبب اور وجہ سے اپنے ہم جنسوں میں اپنی ایک علیحدہ اور امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور پھر ان افراد کی حیثیتوں میں درجہ بندی سے کوئی ادنیٰ کوئی اعلیٰ کوئی چھوٹا کوئی بڑا، کوئی کم صلاحیت اور افادیت رکھتا ہے تو کوئی اس سے زیادہ مگر اور بہتوں سے کم اور ایک فرد اپنے ہم جنسوں میں ایسا ہے جو سب سے اعلیٰ بہترین صلاحیت والا اور سب سے اونچے مرتبے کا مالک ہوتا ہے۔

چنانچہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام آدمیوں کے سردار ہیں اور نبی کریم حضرت ختم المرسلین والنبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم اور ثقلین کے سردار ہیں، صحابی رسول حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومیوں کے اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل فارس کے سردار ہیں، طور سینا پہاڑوں کا سردار ہے، قرآن حکیم کلاموں کا سردار ہے، سورۃ بقرہ سورتوں کی اور آیۃ الکرسی سورہ بقرہ کی سردار ہے۔ سدرہ درختوں میں، محرم مہینوں میں اور جمعہ دنوں کا سردار ہے۔

یہ ماہ محرم الحرام جو عزت و احترام کے لحاظ سے دوسرے مہینوں کا سردار ہے۔ آج اس کا آغاز ہو رہا ہے اس مہینہ کا احترام پہلے سے ہی کیا جاتا رہا ہے حتیٰ کہ اسلام سے قبل ایام جاہلیت میں اہل عرب اس مہینہ کو محترم سمجھا کرتے تھے اور اس میں جنگ و قتال بند رکھا جاتا تھا۔

اسلام نے رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور رجب کے مہینوں کو محترم مہینے قرار دیا ہے اور ان مہینوں میں جنگ و قتال اس شرط کے ساتھ ممنوع قرار دیا کہ دشمن بھی ان مہینوں کا احترام کرے اگر ان مہینوں میں کوئی غیر مسلم گروہ اہل اسلام پر حملہ آور ہوں تو مسلمانوں کو حکم ہے کہ دشمن کا پورا پورا مقابلہ کریں۔ اور دشمن کو اس پابندی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کا پوری طرح مزا چکھا دیں محرم الحرام کے پہلے دس دن عبادت و ریاضت اور مغفرت و برکات کے خاص ایام ہیں ان میں صدقہ و خیرات کرنی چاہیے اور روزے بھی رکھے جائیں۔

شیخ الاسلام حضرت معین الدین حسن سنجری کا فرمان ہے کہ محرم الحرام کی پہلی رات میں نوافل کی چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی ایک بار اور سورۃ اخلاص پندرہ مرتبہ پڑھنا نزول برکات کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آٹھ نوافل پڑھنے منقول ہیں اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد دس بار سورہ اخلاص پڑھی جائے تو پڑھنے والے کی اور اس کے گھر والوں کی شفاعت ہوگی۔ اکثر صحابہؓ سے ماہ محرم کے فضائل کے بارے میں بکثرت روایات وارد ہوتی ہیں۔

محرم اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "حرام کیا گیا" جیسے پہلے ذکر کیا گیا کہ قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں بھی یہ مہینہ لائق احترام سمجھا جاتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثار صحابہ کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرما کر جب مدینہ تشریف لے آئے تو محرم کے موقعہ پر دسویں محرم کو یہود کو روزہ رکھتے دیکھا۔ آپؐ نے بعض کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تم لوگ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو انھوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ظلم و

ستم سے نجات عطا فرمائی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام شکریہ کے طور پر اس دن روزہ رکھا کرتے اس لیے ہم ان کی اتباع میں روزہ رکھتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے زیادہ انبیاء کی اتباع کرنے والا ہوں۔ آئندہ میں بھی اس دن روزہ رکھا کروں گا۔ آخر عمر میں رسول اللہ ؐ نے فرمایا تھا کہ دس محرم کے موقع پر دو دن روزہ رکھا کروں گا تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت نہ رہے اس لیے اصل بات یہی ہے کہ محرم کے پہلے دس دن عبادت و ریاضت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں اور نزول برکات کے خاص دن ہیں اور ان دنوں کی اس فضیلت کا واقعہ کربلا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان دنوں کو یہ فضیلت واقعہ کربلا سے پہلے ہی حاصل تھی جس طرح حضرت فاروق اعظم حضرت عثمان غنیؓ اور عم رسول حضرت حمزہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دوسرے صحابہ کرام اور اولیاء امت کی شہادت یا وصال کے دنوں میں سے بعض کو اگر کوئی فضیلت و برکت حاصل ہے تو ان واقعات کی بنا پر نہیں ہے ایسے ہی ماہ محرم کا محترم ہونا اور اس کے پہلے دس دنوں کا خاص بابرکت ہونا واقعہ کربلا کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان میں خاص عبادت و ریاضت کا اجر و ثواب پہلے بھی اسی طرح عطا فرمایا جاتا تھا جس طرح واقعہ کربلا کے بعد اب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے سوا ہر بشر آمین۔

## بقیہ : مسلک اعتدال

ہیں اصلی و نقلی کا امتیاز کیا جاتا ہے۔ سچ اور جھوٹ کو پرکھا جاتا ہے۔ یہاں بھی فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے ؎

اے بسا ابلیس کا دم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست!

مغالطہ سے بڑے کو بھلا سمجھ کر پھنس جانا زیادہ نقصان دہ ہے اور اس کا معیار شریعت مقدسہ کا عمل ہے کہ جس شخص کے عقائد درست ہوں، شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہو۔ نماز، روزہ اور شریعت کے سب احکام کا پابند ہو۔ وہ نیک ہے۔ شریعت کے خلاف چل کر کوئی شخص نیک نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ بن جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں"۔ (مشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کی صورت دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ جن کی بات سے علم میں ترقی ہوتی ہو۔ جن کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو"

---

ایک نے تو حلقۂ مجلس میں کچھ کشادگی محسوس کی تو وہ تو
اس جگہ پر بیٹھ گیا اور دوسرا شخص حاضرین مجلس کے
پیچھے بیٹھ گیا۔ اور تیسرا الٹے پھر کر ادھر سے چل
دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس مشغولیت
سے) فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ کیا میں تم کو ان تین
حضرات کی کیفیت سے آگاہ کروں۔ ان میں سے
ایک نے تو اللہ تعالےٰ کی جائے پناہ تلاش کی تو حق
تعالےٰ نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور دوسرے
نے (بھیڑ میں گھسنے میں) شرم محسوس کی تو حق تعالےٰ
نے بھی اس کے ساتھ شرم کا معاملہ کیا۔ تیسرے نے
اعراض کیا (اور چل دیا) تو اللہ تعالےٰ نے بھی اس
سے اعراض فرمایا۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ نُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ: فَلَمَّا
كُنَّا قَرِيْبًا مِنْ عَزْوَرَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ
فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَكَثَ طَوِيْلًا
ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا۔
فَعَلَهُ ثَلَاثًا وَقَالَ: "إِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ وَشَفَعْتُ
لِأُمَّتِيْ فَأَعْطَانِيْ ثُلُثَ أُمَّتِيْ فَخَرَرْتُ
سَاجِدًا لِرَبِّيْ شُكْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِيْ
فَسَأَلْتُ رَبِّيْ لِأُمَّتِيْ فَأَعْطَانِيْ
الثُّلُثَ الْآخَرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ۔ (رواہ
ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ارادے سے مکہ
سے روانہ ہوئے۔ پس جب ہم عزوراء کے قریب پہنچے
تو آپ اترے اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالےٰ سے کچھ
دیر تک دعا فرماتے رہے۔ اس کے بعد آپ سجدہ میں
گر گئے اور بہت دیر تک سجدہ میں رہے۔ اس کے
بعد اٹھے اور ہاتھ اٹھا کر کچھ دیر تک دعا فرمائی۔
پھر سجدہ میں گر گئے۔ اس طریقہ سے آپ نے تین بار
کیا۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے درخواست کی
تھی اور اپنی امت کی سفارش کی تھی تو اللہ تعالےٰ نے
مجھے میری تہائی امت دے دی تو میں نے
اللہ کے شکر کے لیے سجدہ کیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا
اور اپنی امت کے لیے درخواست کی تو اللہ تعالےٰ
نے ایک تہائی مجھے اور دے دی۔ اس پر بھی میں نے
سجدۂ شکر ادا کیا۔ میں نے پھر سر اٹھایا اور تیسری بار
امت کے لیے درخواست کی تو اللہ تعالےٰ نے باقی
تہائی بھی مجھ کو دے دی اس پر بھی میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔
(ابوداؤد)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنَ
اللَّيْلِ حَتّٰى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقُلْتُ لَهُ،
لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَدْ غُفِرَ
لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟
قَالَ: "أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا" مُتَّفَقٌ
عَلَيْهِ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ نَحْوُهُ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو
تہجد کی نماز میں اس قدر کھڑے رہا کرتے تھے کہ
آپ کے دونوں پاؤں پھٹ گئے تھے۔ میں نے
عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ
اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں۔ باوجودیکہ اللہ تعالےٰ
نے آپ کی اگلی اور پچھلی لغزشیں (اگر بالفرض ہوں)
سب ہی معاف کر دی ہیں — فرمایا، کیا میں اللہ کا
شکرگزار بندہ نہ بنوں (بخاری و مسلم) اور حضرت مغیرہ
سے بھی یہی مضمون مروی ہے۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ لَيْلًا
فَقَالَ: "أَلَا تُصَلِّيَانِ؟" (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت
ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم ان کے اور حضرت فاطمہؓ کے پاس
رات کو تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم صلوٰۃ اللیل
نہیں پڑھتے؟ (بخاری و مسلم)

٭ ٭ ٭

ہفت روزہ خدام الدین لاہور
فون نمبر ۷۶۵۳۵

# ید بیضا

دیدہ زیب — پرکشش

مؤلف
حامی عبیدی دینپوری

عکسی طباعت سے مزین

## انجمن خدام الدین کی نئی پیش کش

● ولی اللّٰہی تحریک — ایک سرسری جائزہ ● انگریز اور اسکے حقیقی مخالفین ● مشہور عالم تحریک ریشمی رومال کا بھرپور تعارف ● اس تحریک میں انقلابی کردار ادا کرنیوالی خانقاہ نشینوں کا مثالی کردار ● دین پور شریف کے بانی حضرت خلیفہ غلام محمد صاحبؒ حضرت شیخ الہند کے رفیق کار اور امام سندھیؒ و امام لاہوریؒ جیسے مصلحین و قائدینِ ملت کے مرشد کا ایمان آفریں تذکرہ

● جب قدم قدم پر انگریز نے پھانسی کے پھندے لٹکا رکھے تھے تو ان باضمیر انسانوں نے انسانی حریت کے لیے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ یہ اور اس قسم کے متعدد مباحث پر مشتمل یہ دستاویز خانقاہ پاک کے گل سرسبد جناب حامی عبیدی نے مرتب کی۔ جبکہ مرشد انور اور قائد محترم مفتی محمودؒ نے پیش لفظ اور مقدمہ تحریر فرمایا۔

صفحات ساڑھے چار سو سے زائد، کاغذ انتہائی قیمتی
جلد مضبوط اور خوبصورت

ھدیہ

۳۵ روپے

ناظم نشر و اشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

منظور شدہ محکمۂ تعلیم — ۱: لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G۱۹۳۲۱ مورخہ ۲ مئی سنہ ۱۹۵۹ء ۲: پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری C۳T۲۲۷-۲۲۸۱ مورخہ ۸ ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء
۳: کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۳۹/۲۰۶۷۶-۹-DDA مورخہ ۲۴ اگست سنہ ۱۹۶۴ء ۴: راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر ۲۰/G۴۴-۱۵۳۱۰ مورخہ ۳ مارچ سنہ ۱۹۶۴ء